جمعیۃ علماء ہند

کی

تعمیری جدوجہد

کتاب اللہ، اسوۂ رسولؐ، عقل وحکمت کی روشنی میں

مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ

سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند

حسبِ ہدایت

حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب

صدر جمعیۃ علماء ہند

ناشر

شعبۂ نشر واشاعت، جمعیۃ علماء ہند

۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی

نام کتاب : جمیۃ علماء ہند کی تعمیری جدوجہد (مکمل سیٹ)
مصنف : مولانا اخلاق حسین قاسمی
سنِ اشاعت : ۲۰۱۰ء
کمپوزنگ : نعمت کمپوزنگ ہاؤس، دہلی، فون:22780273
طباعت : شیروانی آرٹ پرنٹرز، دہلی۔6 فون **23943292**

فہرست

جمعیۃ علماء ہند کی تعمیری جدوجہد

- ۱۸۵۷ء کے بعد ۷
- ملی زندگی کا طریقۂ کار ۸
- قرآن کے تعمیری احکام کے دو اہم جزو ۹
- اشتعال انگیز سیاست سے علیحدگی ۱۱
- جمعیۃ علماء ہند کا تعمیری پروگرام ۱۲
- علماء کرام اور دینی کارکنوں سے ۱۲
- سیاست میں جمعیۃ علماء کا تعمیری نقطۂ نظر ۱۴

دینی جدوجہد : دفعہ : ۱

- تعمیری پروگرام دفعہ (۱) کا متن اور طریقۂ کار ۱۶
- رسول پاک ﷺ اور آپ کے جانشینوں کا اصل کام دعوت الی اللہ ۱۸
- شیریں کلامی ۱۹
- آسان بنا کر پیش کرو ۱۹
- تدریجی انداز اختیار کیا جائے ۲۰
- تالیف قلب اور خیر خواہی ۲۰
- دعوت و تبلیغ میں زبردستی نہیں ۲۱
- تبلیغی جماعتیں اور تعلیمی دستے ۲۱
- دعوت کے کام میں غیر مسلموں کا تعاون ۲۳
- ہجرت کے موقع پر غیر مسلم رہبر سے کام لیا ۲۶
- دعوت عام اور ہماری ذمہ داری ۲۸
- ارباب وعظ و ارشاد سے گزارش ۳۳
- دعوت دین اور غلبۂ حق کے لیے نبوت کا عملی طریقۂ کار ۳۹
- ملت ابراہیمی اسلام کی بنیاد ہے ۴۲
- داعی اسلام، اول المسلمین تھے ۴۶
- سنت رسول اور بدعت میں کیا فرق ہے؟ ۴۹

- جمعیۃ علماء ہند کا دینی مقام ۵۲
- نصب العین - اغراض و مقاصد ۵۳
- طریقۂ عمل - حکمتِ عملی ۵۳
- ماضی پر ایک نظر ۵۴
- ایک رُکاوٹ ۵۵
- جمہوری یا اسلامی؟ ۵۵
- تقسیم ہند ۵۶
- ہندوستانی جمہوریت ۵۶
- صوفیائے کرام اور اقامتِ حق ۵۸
- وحدتِ کلمہ ۵۹
- اقامتِ حق کی زندہ مثال ۵۹
- اصلاح و دعوت کے لیے عملی کردار کی اہمیت ۶۰

سماجی خدمت : دفعہ : ۲

- تعمیری پروگرام دفعہ (۲) کا متن اور طریقۂ کار ۶۳
- اسلام میں سماجی خدمت کی اہمیت ۶۴
- عبادت اور خدمت کے مجموعہ کا نام ''سنتِ رسولؐ'' ہے ۶۷
- سماجی خدمت اور صحابۂ کرامؓ ۶۸
- خدمت خلق اور صوفیائے کرام ۶۹
- اہل بیت رسولؐ اور خدمتِ خلق ۷۲
- جمعیۃ علماء ہند کے رہنمایانِ حق کا کردار ۷۳
- سماج سدھار کے کاموں میں حصہ لینے کا حکم ۷۴
- مذہب خدمت کے لیے نہ کہ مفاد پرستی کے لیے ۷۵
- خدمت کی تحریکات میں تعاون کرو ۷۵
- پبلک لائف میں صبر و برداشت کی فضیلت ۷۵
- حق تلفی ناقابلِ معافی گناہ ۷۶
- حق تلفی کی سزا کو دُور کرنے کے بارے میں ۷۷
- حقوقِ انسانی ادا نہ کرنے والا عبادت گزار جہنم میں ۷۸
- قیامِ امن کے کاموں کی فضیلت ۷۹
- مظلوموں کی امداد کرنے کی فضیلت ۸۰

- حکمرانی عوام کی خدمت ہے ۸۱
- عورتوں کے لیے ''خدمتِ خلق'' کا دائرہ ۸۲
- اسلام کے ارکانِ خمسہ اور خدمتِ خلق ۸۳
- سماجی خدمت کے مختلف شعبے، ماں باپ کی خدمت ۸۵
- بڑے بھائی کی خدمت ۸۵
- اولاد اور چھوٹے بھائیوں کی خدمت ۸۶
- اچھی تربیت اور اچھی تعلیم کے لیے اہتمام ۸۶
- بیوی کا حق ۸۷
- شوہر کا حق، شوہر کی خدمت ۸۸
- رشتہ داروں کی خدمت ۸۹
- غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک ۹۰
- ہمسایہ اور پڑوسی کی خدمت ۹۱
- پڑوسن کو خدمت اور اخلاق کی ہدایت ۹۴
- یتیموں کی خدمت ۹۵
- مسافروں کی خدمت ۹۶
- بیماروں کی خدمت ۹۶
- مہمانوں کی خدمت ۹۷
- جانوروں کے حقوق ۹۸
- ضرورت مندوں کی سفارش کرنے کی تاکید ۱۰۰
- مسکین اور بیوہ کی مدد کرنا جہاد کے برابر ہے ۱۰۰
- مجلس اور بازار کا حق ۱۰۱

اقتصادی جدوجہد : دفعہ : ۳

- تعمیری پروگرام دفعہ (۳) کا متن اور طریقۂ کار ۱۰۳
- اسلام میں اقتصادی جدوجہد کی اہمیت ۱۰۵
- مال و دولت زندگی کی اساس ہے ۱۰۶
- کیا دُنیا ملعون ہے؟ ۱۰۶
- عیسائیت کا پروپیگنڈہ ۱۰۷
- اَلدُّنْیَا لَمَحْمُوْدَۃ ۱۰۸
- فقر و قناعت کا صحیح محل و مقام ۱۰۹

- رسول پاکؐ نے کسبِ معاش کا طریقہ سکھایا ۱۱۰
- تجارتی سوسائٹی اور مشترک تجارت ۱۱۰
- غلط توکل کی مذمت ۱۱۱
- تجارت کے نفع سے حضورؐ کی خوشی ۱۱۲
- اسلام میں ذریعہ معاش کی تبدیلی ۱۱۳
- اسلام میں معاشی ترقی اور معاشی انصاف ۱۱۴
- عیسائی دانشور لارڈ اسٹامپ کا قول ۱۱۵
- معاشی انصاف کے لیے فرد اور حکومت دونوں ذمہ دار ۱۱۶
- معاشی عدل کے لیے خلافت کی ذمہ داریاں ۱۱۷
- کاشتکاروں پر خصوصی توجہ ۱۲۰
- احتکار اور سود کی حرمت ۱۲۴
- معاشی عدل کے قیام میں عوام کی ذمہ داریاں ۱۲۵
- فرد کے لازمی فرائض ۱۲۶
- فرد کے اخلاقی فرائض ۱۲۶
- ضرورت سے زائد دولت کا حکم ۱۲۷
- انفرادی ملکیت اسلام میں ۱۲۹
- صحابہ کرام کی مالی حالت ۱۳۰
- صحابہ کرامؓ کی مالی خوش حالی ۱۳۰
- دین و دنیا میں توازن ۱۳۸
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم پیشین گوئی ۱۴۹

علمی جدوجہد : دفعہ : ۴

- تعمیری پروگرام دفعہ (۴) کا متن اور طریقۂ کار ۱۴۰
- علمی اور تعلیمی ترقی شریعت کی نظر میں ۱۴۱
- تقریر و تحریر کی اہمیت ۱۴۳
- دار المطالعہ، مرکز علم و ادب ۱۴۳

OO

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۴۷ء تک ملک وملّت کی مذہبی، اقتصادی اور سیاسی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیا اور آزادئ وطن اور ملک وملّت کی آزادی اور عزّت کے لیے سرفروشانہ قربانیوں کا بے مثال ریکارڈ قائم کیا۔

۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد اس جماعت نے اپنی سرگرمیوں کے لیے، تعلیمی اور رفاہی خدمات کا میدان خاص کرلیا۔

کیونکہ یہ وہ دَور آیا جس میں مسلمانانِ ہند تقسیم در تقسیم کے نتیجہ میں قریب قریب وہاں کھڑے ہوگئے جہاں ابتدائے اسلام میں مسلمان مکّی زندگی کے اندر کھڑے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے ہمیشہ رہنمائی اور قیادت کے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا۔ حضور کے اسوۂ حسنہ نے ایک کمزور امت کو کس طرح مکّی زندگی کے تیرہ سالہ مصائب اور پریشانیوں سے نکالا؟ تاریخ عالم کا یہ ایک نہایت سبق آموز باب ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد

علمائے حق نے ۱۸۵۷ء کے بعد بھی اپنی سرگرمیوں کو میدانِ جنگ سے ہٹا کر تعلیم و تربیت کے دائرہ میں خاص کرلیا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانانِ ہند فرنگی تہذیب کے طوفانی غلبہ سے محفوظ رہے۔ اور جب وقت آیا تو انہی علمائے حق کے جانشینوں نے فرنگیوں کی سنگینیوں کے سامنے سینہ تان دیا اور بالآخر ایک منظّم جدوجہد کے ذریعہ فرنگی اقتدار کا نہ صرف ہندوستان سے بلکہ عالم اسلام کے بڑے حصہ سے جنازہ نکل گیا۔

علمائے حق اگر ۱۸۵۷ء کے بعد تعلیمی اور سماجی میدان کو نہ سنبھالتے تو بلاشبہ انگریزی اقتدار کمزور، بے علم اور بے شعور مسلمانوں کو اپنے زوردار سیلاب میں بہا کر لے جاتا۔

یہی حکمت عملی ۱۹۴۷ء کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے جانشینوں نے اختیار کی۔ مسلمانانِ ہند کے آشیانہ کے تنکے بکھر رہے تھے اور ضرورت تھی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ان مسلمانوں میں حوصلہ،

عزم، تعلیم اور معاشی مضبوطی پیدا کرنے کی طرف توجہ کی جائے اور انھیں ملک کی اکثریت کے ساتھ سیاسی کشمکش اور حریفانہ جدوجہد کے میدان سے ہٹا دیا جائے جس سے مسلمانوں کو کچھ ملنے والا نہیں، بلکہ وہ وقت، قوت اور سرمایہ کی بربادی کا راستہ ہے۔

مکّی زندگی کا طریقہ کار

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مخالف ماحول کو حق کی روشنی کے لیے کس طرح سازگار بنایا۔ مٹھی بھر مسلمانوں کو ایک مضبوط معاشرہ کی شکل میں کس طرح پروگرام کے مطابق تبدیل کیا؟ غور کرو۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ

اے چادر پوش نبی! تیار ہو جاؤ پھر لوگوں کو ہوشیار کرو، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے لباس کو پاک رکھو، اور گندگی سے دُور رہو، اور کسی پر اس غرض سے احسان نہ کرو کہ اس سے بدلہ چاہو، اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کرو

(۱) قُمْ فَأَنْذِرْ: کھڑے ہو جاؤ، اور ہوشیار کرو یعنی عزم و حوصلہ کے ساتھ دعوتِ حق اور شہادتِ حق کے لیے تیار ہو جاؤ

(۲) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ: اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو یعنی خدا کی توحید و یکتائی پر قائم ہو جاؤ۔

(۳) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ یعنی ہر قسم کے گناہ اور بدعہدی سے دُور رہو۔ (ابن عباسؓ) عربی محاورہ میں کپڑوں کو پاک رکھنے سے اشارہ اعمال، اخلاق اور کیریکٹر کو پاک، صاف رکھنے کی طرف ہوتا ہے۔ (ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، امام عطاءؒ)

عرب میں بدعہدی کرنے والے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے کپڑے ناپاک کر لیے۔ (امام قتادہؒ) سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ کپڑوں کو پاک کرنے سے مراد دل اور نیت کو پاک صاف رکھنا ہے۔ محمد ابن کعبؒ اور امام حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اخلاق اچھے رکھو۔

(۴) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ: اور اس لیے احسان نہ کرو کہ زیادہ بدلے کی خواہش کرو۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ پر اپنے نیک اعمال کا احسان نہ رکھو اور اعمال کے بدلے اس سے جزاء طلب نہ کرو۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، خدا تعالیٰ سے خیر طلب کرنے میں کمزوری اختیار نہ کرو۔ کلام عرب میں تمنن کے معنی تضعف کے آتے ہیں۔

ابن زیدؒ کہتے ہیں، لوگوں پر اپنی نبوت کا احسان نہ رکھو اور ان سے دُنیا کا بدلہ نہ چاہو۔

(۵) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ: اور اپنے رب کی رضا جوئی کی خاطر صبر اور تحمل سے کام لو۔

(مشہور مفسر حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ج ۴، ص ۴۴۱ پر یہ تفصیل نقل کی ہے)

ان تمام تفسیری اقوال کو سامنے رکھو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے ان چند آیات میں کتنی فصاحت و جامعیت کے ساتھ فکر و اعتقاد اور اخلاق و کیریکٹر کا پروگرام پیش کیا ہے۔

اور پھر مکہ معظمہ کے تیرہ سالہ دَور میں نازل ہونے والی سورتوں اور آیتوں پر غور کرو کہ قرآن کے اس تمام حصہ میں خدا تعالیٰ نے انہی بنیادی باتوں پر کس کس انداز سے توجہ دلائی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے ۱۹۴۷ء کے ہنگامی دَور میں اسی پروگرام کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں کو مشکلات سے نکالنے کی مسلسل جدوجہد کی اور آج بھی جمعیۃ علماء ہند انہی تعلیمات کے مطابق مسلمانانِ ہند کو اقتصادی اور اخلاقی اور معاشی کیریکٹر بنانے اور سنوارنے کی دعوت دے رہی ہے۔ اور ملک کے مختلف حصوں میں اس کے ذمہ دار اس تعمیری پروگرام کے مختلف حصوں کو چلا رہے ہیں۔

قرآن کے تعمیری احکام کے دو اہم جزو

(۱) صبر و استقلال:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو قرآن حکیم نے یہ ہدایت کی کہ وہ ماحول کی سختیوں کا صبر و استقلال سے مقابلہ کریں اور مخالف کی ایذا رسانیوں سے گھبرا کر اور مشتعل ہو کر اخلاق، خدمت اور اپنی تعمیر کے کام میں فرق نہ آنے دیں۔

ابوجہل اور اس کے ساتھی دل سے یہ جانتے تھے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

آسمانی صداقت رکھتا ہے۔اور یہ ناکامی سے دوچار ہونے والا نہیں۔

پھر بھی یہ مسلمانوں پر اور حضور پر ظلم کرتے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول پاک اور آپ کے ساتھی دل برداشتہ، مایوس اور مشتعل ہو کر اخلاق اور خدمت کے مشن سے دست بردار ہو جائیں اور ہماری گالیوں کے جواب میں خود بھی گالیاں دینے پر اُتر آئیں۔یہی سب سے زیادہ سخت امتحان تھا، جس سے حضور اکرمؐ اور آپ کے ساتھی کامیاب ہو کر نکلے۔

جب کسی جذباتی مسلمان نے مخالفتوں کے سامنے جوش وخروش دِکھانا چاہا تو آپ نے اُنھیں روک دیا۔حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر کے حرم شریف میں ابوجہل کو چیلنج کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اُنھیں اس سے باز رکھا۔حضرت خبابؓ نے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے کے لیے دعاء کی درخواست کی تو آپؐ نے اُنھیں فہمائش کی کہ ابھی امتحانات کی سختیاں باقی ہیں۔

دُنیا کے دانشوروں نے تسلیم کیا ہے کہ رسول پاکؐ نے تیرہ سال تک نہایت شدید حالات میں مسلمانوں کی تعمیر کا کام اس طرح انجام دیا جس طرح ایک پودا زمین کے اندر ہی اندر اپنی جڑیں پھیلا دیتا ہے اور پھر وہ ایسا سایہ دار درخت بن جاتا ہے جسے مخالف ہوائیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

انسانی فطرت کے تقاضے سے جب کبھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین پر زیادہ غصہ آتا تو قرآن کریم آپ کو ہدایت کرتا:

فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم (سورۂ احقاف)	آپ باہمت رسولوں کی طرح برداشت سے کام لیں اور جلدی نہ کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآنی ہدایت کے بعد پھر تحمل و برداشت کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم اور تربیت اور ان کو سنوارنے اور بنانے کے کام میں لگ جاتے۔

(۲) دُنیاوی معاوضہ سے پرہیز کرنے کی ہدایت

خدا تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی کہ وہ اور ان کے رفقاء لوگوں سے اپنی جدوجہد کے بدلے کسی قسم کے مادّی، دُنیاوی اور سیاسی معاوضہ کی طلب نہ کریں۔ چنانچہ اس دَور میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سیاسی نعرہ نہیں لگایا۔سیاسی اقتدار

حاصل کرنے کی کوئی بات منہ سے نہیں نکالی۔ دشمنوں نے اگر کچھ لینے دینے کی بات کی تو اس کی جواب میں فرمایا:

وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی اللّٰه و ما انا من المتکلّفین. (زمر)

میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو میرے خدا کے ذمہ ہے اور میں یہ بات کسی تصنع اور بناوٹ سے نہیں کہتا۔

قریشی سرداروں نے آپ کے سامنے بڑے بڑے عہدوں کی پیشکش کی، مگر آپؐ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور نہایت خاموشی سے کمزور مسلمانوں کو بنانے اور سنوارنے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب یہ کمزور مسلمان ایک منظم، تعلیم یافتہ، با اخلاق اور باوقار سماج کے فرد بن گئے تو پھر قدرت کے قانون کے مطابق مسلمان سرزمین عرب میں عزت کے مقام پر فائز ہو گئے۔

اشتعال انگیز سیاست سے علیحدگی

جمعیۃ علماء ہند ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اشتعال انگیز سیاست کے راستہ کو خودکشی کے برابر سمجھتی ہے کیونکہ یہ دور مسلمانوں کے لیے تعمیری دَور ہے۔ تعمیر کے لیے پرسکون ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ٹھنڈے دماغ ہی تعمیری کام انجام دے سکتے ہیں۔ گرم مزاجی اور تعمیری کوشش میں آگ اور پانی کا بیر ہے۔

جمعیۃ علماء ہند اگر ۱۹۴۷ء کے بعد سے ہی اشتعال انگیز سیاست کی راہ پر چل پڑتی اور حقوق طلبی کے لیے گرما گرم نعرے بازی شروع کر دیتی تو آج مسلمانانِ ہند کے اندر جو معاشی اور ذہنی جماؤ موجود ہے وہ ہرگز موجود نہ ہوتا۔

جمعیۃ علماء ہند کی اس مدبّرانہ حکمتِ عملی پر آنے والا مورّخ خراجِ تحسین پیش کرے گا اور مسلمانانِ ہند کی نئی نسلیں جمعیۃ علماء ہند کی ہوش مندی اور خدا ترسی کا اعتراف کریں گی۔

پچھلے پچیس سال میں جمعیۃ علماء ہند کی اس تعمیری حکمت عملی کی بدولت مسلمانانِ ہند کے اندر جو تھوڑا بہت جماؤ پیدا ہوا ہے اُسے ملّت دشمن طبقے ختم کر دینا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو بھڑکا کر ۱۹۴۷ء سے پہلے کی نفرت انگیز سیاست پر واپس لانے کے لیے سازش

کررہے ہیں۔

اس سازش میں ملّت کے پرانے دشمنوں کا ہاتھ ہے اور مسلمان اپنے روایتی جذباتی پن میں آ کر اس سازش کا شکار ہونے کے لیے پر تول رہے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند آج پھر مسلمانوں کو آواز دے رہی ہے کہ اپنے بناؤ اور جماؤ کے کاموں کو جاری رکھو اور یہ سمجھ لو کہ اسمبلیوں یا پارلیمنٹ کے اندر چند کرسیاں کسی خاص نشان کے ساتھ تمھارے مسائل کا حل نہیں ہیں بلکہ اپنے مسائل کے لیے تمھیں تعمیری جدوجہد کرنی ہوگی۔

جمعیۃ علماء کا تعمیری پروگرام

جمعیۃ علماء ہند ملّت کے جماؤ اور استحکام کے خلاف گہری سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے ملّت کے باشعور اور ذہین لوگوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ تعمیری کاموں کی اہمیت کو محسوس کریں۔ اور دوسرے بھائیوں سے محسوس کرائیں اور جمعیۃ علماء ہند کے تعمیری پروگرام کے تحت اجتماعی جدوجہد کی راہ اپنائیں۔ اور جماعتی رفقاء اس تعمیری پروگرام کو ایک مقدس مشن بنا کر آگے بڑھیں۔

جمعیۃ علماء ہند کا دینی، سماجی، علمی اور اقتصادی پروگرام آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں جس حصہ سے آپ کو دلچسپی ہے اسے اپنی سرگرمیوں کے لیے چن لیں۔

علماء کرام اور دینی کارکنوں سے

جہاں تک دینی پروگرام کا تعلق ہے ہمارے علماء کرام اور دین دار بھائی اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کرسکتے البتہ سماجی اور اقتصادی پروگرام کے بارے میں علماء کرام اور دینی کارکنوں سے یہ گزارش ہے کہ جس طرح کلمہ ونماز کی اشاعت دین کا اہم فریضہ ہے اسی طرح مسلمانوں کی اخلاقی حالت کو سدھارنا اور ان میں معاشرتی اتحاد پیدا کرنا اور انھیں معاشی افلاس سے نکال کر معاشی سدھار کی طرف لے جانا بھی قرآن وحدیث کی اہم ترین ہدایات میں شامل ہے۔

سماجی سدھار اور معاشی ترقی کی کوشش کو دنیاداری اور بے کار کام سمجھنا، قرآن وحدیث کی تعلیم سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ان الفاقة لاصحابی سعادة و ان الغناء للمومن فی آخر الزمان سعادة. (کنز العمال عن ابن مسعود)

میرے صحابہ کے لیے فقر و فاقہ سعادت ہے اور آخر زمانہ میں مومن کے لیے مالداری سعادت ہوتی۔

(۲) نعم العون علی تقوی اللّٰہ المال. (ایضاً عن جابرؓ)

تقویٰ اور پرہیزگاری کا بہترین مددگار مال اور پیسہ ہے۔

ان احادیث میں حضور نے موجودہ دَور کے لیے مالی وسائل کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور امت کو توجہ دلائی ہے کہ وہ عبادت کے ساتھ ساتھ معیشت پر بھی نظر رکھیں اور یہی دین داری کا مکمل تصور ہے۔ جمعیۃ علماء نے دین داری کے ناقص اور ادھورے تصور کے خلاف مسلسل جدوجہد کی ہے اور اس کے اخبار (الجمعیۃ) نے اس کے صوبائی اور مرکزی اجلاسوں نے مسلمانوں کے اندر یہ ذہن پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے کہ مسلمان کے لیے جس طرح معاد (آخرت) کا بنانا ضروری ہے اسی طرح معاش (دُنیاوی زندگی) کو سنوارنا بھی لازمی ہے۔

ہم خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آج حالات کی ناسازگاری کے باوجود، مسلمان تاجر، مسلمان کارخانہ دار اور کاری گر ملک کی معاشی ترقی میں شریک ہیں۔ اور جو لوگ مسلمانوں میں ماتم وشیون کا ماحول پیدا کر کے اُنھیں مایوسی کے غار میں دھکیلنا چاہتے ہیں وہ ناکام رہے ہیں، لیکن ۲۵ سال قوموں کی زندگی میں چند لمحوں کے برابر ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے زخموں کو بھرنے کے لیے لمبی جدوجہد کرنی ہوگی اور الیکشن باز سیاست دانوں کے جذباتی پن سے دُور رہنا ہوگا۔

جمعیۃ علماء ہند کے تعمیری پروگرام کے چاروں حصے ضروری تشریحات کے ساتھ شائع کیے جارہے ہیں۔

سیاست میں جمعیۃ علماء کا تعمیری نقطۂ نظر

یہ سمجھنا غلط ہے کہ جمعیۃ علماء ہند مسلمانوں کو سیاسیات سے الگ رکھنا چاہتی ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ جمعیۃ علماء سیاست میں تعمیری نقطۂ نظر اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند اس حقیقت کو محسوس کریں کہ ایک جمہوری نظام میں اکثریت تو صرف اپنی عددی طاقت سے اپنے مطالبات منظور کرا سکتی ہے لیکن ایک اقلیت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر تعلیمی، اقتصادی اور سماجی وزن پیدا کرے اور پھر اس کی تعلیمی، اقتصادی اور اخلاقی صلاحیت اسے زندگی کے ہر میدان میں آبرومندانہ مقام پر پہنچا دے۔

ایک اقلیت اگر تعمیری طاقت سے محروم ہو تو وہ صرف الیکشنی ہتھکنڈوں اور انتخابی جوڑ توڑ کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کچھ وقتی فائدہ اور شخصی مفادات ان انتخابی ہتھکنڈوں سے ضرور حاصل ہو سکتے ہیں۔

جو نادان یا خود غرض لیڈر مسلم مسائل کو الیکشنی حربہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جمعیۃ علماء مسلمانوں کو اُن سے دُور رہنے کی تاکید کرتی ہے۔ اور جمعیۃ علماء کی یہی وہ ایماندارانہ اور دانشمندانہ رائے ہے جس پر وہ اپنے نادان حریفوں کے سب وشتم کا نشانہ بنتی ہے۔

جمعیۃ علماء کی اس صائب رائے کا ان لوگوں کے پاس کوئی معقول جواب تو ہوتا نہیں، صرف زبانی لعن طعن کر کے مسلم عوام کے اندر یہ لوگ بدظنی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر عرب اسرائیل مسئلہ کو جمعیۃ علماء نے ایک حق وانصاف کا مسئلہ قرار دیا اور اسے مذہبی رنگ میں پیش کرنے کی مخالفت کی۔

ظاہر ہے کہ جب آپ عربوں کے مسئلہ کو ایک مذہبی مسئلہ بنائیں گے تو اس کا وزن کم ہو جائے گا۔ اور فرقہ پرست اس کے مقابلہ میں اسرائیل کی حمایت کی مہم شروع کر دیں گے۔ اور اگر آپ اسے مذہبی زندگی کے بجائے مظلوم انسانیت کا مسئلہ سمجھیں گے اور دوسرے انصاف پسند غیر مسلموں کو ساتھ لے کر چلیں گے تو ایک طاقت ور آواز پیدا ہوگی اور اس سے عربوں کے کاز کو زبردست فائدہ پہنچے گا۔

یہی صورت مسلمانوں کی ملازمتوں، فرقہ وارانہ فسادات اور اُردو زبان کی ہے۔

جمعیۃ علماء ان مسائل کو قومی مسئلہ قرار دیتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ مسلمانوں کی بے روزگاری اور فرقہ وارانہ ہنگاموں سے ملک کمزور ہوتا ہے۔ اس لیے ہر انصاف پسند غیر مسلم کو مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور جانی و مالی تباہی کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے اور بلاشبہ لاکھوں غیر مسلم حضرات ملک میں ایسے موجود ہیں جو مسلمانوں کے معاشی اور شہری حقوق میں ان کی حمایت کرتے ہیں۔

پھر کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان مسلم مسائل کے لیے علیحدہ مسلم پلیٹ فارم بنا کر ان مسائل کے نام پر الیکشنی جوڑ توڑ کا کھیل کھیلا جائے۔

البتہ مذہبی حقوق کے لیے جمعیۃ علماء کا الگ پلیٹ فارم موجود ہے، جس پر مسلمان جمع ہو کر اپنے مذہبی اور ثقافتی حقوق کے لیے مؤثر جدوجہد کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

اخلاق حسین قاسمی

۲۵ر نومبر ۱۹۷۳ء

جمعیۃ علماء ہند کا تعمیری پروگرام

دفعہ ۱

دینی جدوجہد

دینی حلقے

(الف) اسلامی ارکان وعبادات کی تبلیغ وتربیت کے لیے جدوجہد کرنا۔

(ب) سیرت یا اخلاق یا تاریخ اسلام وغیرہ موضوعات پر اجتماع کرنا۔

(ج) ترجمہ قرآن کریم اور درس حدیث شریف کا اہتمام کرنا اور رواج دینا۔

(د) مذہبی لٹریچر تیار کرنا اور اس کی نشر واشاعت کا انتظام کرنا۔

(ہ) دینی اور دنیاوی تعلیم کی ترقی واستحکام ونشر واشاعت کا انتظام کرنا۔

(و) عائلی اور ازدواجی اختلافات کو شرعی پنچایت (محکمہ شرعیہ) کے ذریعہ حل کرنا۔

طریقہ کار

(۱) جہاں کوئی معتبر عالم ہوں وہاں درس قرآن پاک درس حدیث شریف کا اہتمام کیجیے۔ نہ ہوں تو ہفتہ وار مختصر پروگرام کے دینی حلقے بنا کر اچھی کتابیں اور اصلاحی مضامین پڑھائے جائیں۔

(۲) ہفتہ وار یا ماہانہ کسی اسلامی موضوع پر مسلمانوں کے مختلف طبقات کا اجتماع کیا جائے اور اس میں مختلف حضرات کو اظہارِ خیال کی آزادی دی جائے۔ اور کسی علمی تحریر، تقریر یا مضمون کو مقامی زبان میں شائع کیا جائے۔

(۳) حسب ضرورت کسی خاص موضوع پر مناسب مضامین وہاں کے اہلِ علم یا اہلِ فن سے مرتب کرا کے اس کی اشاعت کی جائے۔

(۴) دینی تعلیم کے لیے صباحی یا شبینہ مکاتب یا پورے وقت کے مکاتب اسلامیہ یا دینی مدارس یا تعلیم بالغان کا بندوبست کیجیے۔ اور جہاں موجود ہوں ان کی ہر طرح مالی اخلاقی اور تعمیری امداد کیجیے۔

(۵) دنیاوی تعلیم کے لیے اسکول اور کالج قائم کیجیے اور اس میں ہر فرقے کے لیے مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا انتظام کیجیے۔

(۶) ایسے ٹیکنیکل اسکول کھولیے۔ جہاں بچوں، جوانوں اور پسماندہ طبقات کو ہنر سکھا کر انھیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بنا سکیں۔

(۷) ایسے مرکز بنائیے۔ جہاں اُردو، ہندی، انگریزی یا کسی مقامی زبان کے طلباء کو امتحانات کی تیاری کرائی جا سکے۔ یا ان کی تیاری میں مدد دی جا سکے۔

(۸) شرعی پنچایت کا دستور مرتب کر دیا گیا ہے اس سے استفادہ کیا جائے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشینوں کا اصل کام

دعوت اِلی اللہ

داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی تحریک کو حالات کی شدت کے باوجود اتنی قلیل مدّت میں کس طرح کامیابی کی منزل پر پہنچا دیا؟

ٹھیک ہے کہ اسلام کی ذاتی کشش، فطرت انسانی کے ساتھ اس کی مطابقت اس کی کامیابی کا ایک بڑا سبب ہے۔ لیکن داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلامی کو چلانے اور پھیلانے کے لیے عالم اسباب میں جو حکمت عملی اور طریقۂ کار اختیار فرمایا۔ اس کو بھی اس کامیابی میں بڑا دخل رہا ہے۔

صحیفۂ الٰہی نے داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اصول دعوت کی طرف اجمالی اور بنیادی ہدایت دیتے ہوئے کہا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. (سورۂ نحل، پ:۱۴ آیت ۱۲۵)

ترجمہ: اے رسولؐ! اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف لوگوں کو دعوت دو، حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو اچھے طریقے پر۔

(۱) حکمت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بات اور اپنے دعویٰ کے ساتھ عقل و دانش اور وجدان کو اپیل کرنے والی دلیلیں پیش کی جائیں۔

(۲) عمدہ اور اچھی موعظت کے ذریعہ اپنی بات سمجھاؤ۔ موعظت سے مراد یہ ہے کہ مخاطب کو اس کے نفع و نقصان اور اونچ نیچ سمجھا کر اپنے دعویٰ کا قائل کرو۔

(۳) اچھی بحث کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب تمھارا پیغام سن کر اگر اس کے جواب میں حجت اور دلیل پیش کرے تو خالص علمی اور عقلی انداز سے اس کی دلیلوں کو ردّ کرو۔ اور اس کی غلطی کو واضح کرو۔

قرآن کریم نے نہایت اختصار کے ساتھ سمندر کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کی

راہ میں یہی تین طریقے ہیں جو اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

شیریں کلامی

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم نے تبلیغ و دعوت کے لیے شیریں کلامی اور میٹھی زبان اختیار کرنے کی ہدایت بھی فرمائی۔ یعنی منطقی طریقہ اختیار کیا جائے یا واعظانہ۔ ہر حال میں ہلکے پھلکے اور میٹھے الفاظ دل نشین اندازِ بیان اور سنجیدہ لب ولہجہ قائم رہنا ضروری ہے۔

مخاطب اگر فرعون جیسا سرکش، بدزبان اور ظالم بھی ہو، اس وقت بھی نرم کلامی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو خدا تعالیٰ نے جو نصیحت فرمائی۔ اسے بیان کرتے ہوئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

"فقولا له' قولا لينا لعله' يتذكر او يخشى:" (سورۂ طٰہٰ، پ۱۶، آیت ۴۴)

ترجمہ: ہم نے ان دونوں رسولوں کو ہدایت کی تھی کہ تم اس سے نرم گفتگو کرنا۔

اسی صورت میں اس سے اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے، یا خدا سے ڈر جائے۔ منافقین سے بات کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی:

"فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا."

(سورۃ النساء، پ۵، آیت ۶۳)

ترجمہ: ان کے گستاخانہ کلام سے درگزر کرو۔ ان کو نصیحت کرو۔ اور ایسی باتیں کہو جو ان کے دل میں بیٹھ جائیں۔

آسان بنا کر پیش کرو

دعوت کے سلسلہ میں ایک بنیادی نصیحت یہ کی گئی، کہ اللہ کے دین کو آسان بنا کر پیش کیا جائے۔ اتنا مشکل بنا کر نہ دکھایا جائے کہ لوگ ڈر جائیں اور دین کو ایک ناقابل برداشت بوجھ سمجھنے لگیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو دعوت کے لیے بھیجتے وقت فرمایا:

"يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا." (بخاری جلد۲ ص ۶۲۶)

ترجمہ: دین کو آسان شکل میں پیش کرنا۔ مشکل انداز میں نہیں۔ اور لوگوں کو کامیابی اور فلاح کی بشارتیں سنانا۔ نفرت اور خوف پیدا نہ کرنا۔

بشارتوں سے مراد خدا تعالیٰ کی مہربانی، رحمت اور کامیابی کے وعدوں کا ذکر ہے اور نفرت سے مراد جہنم، عذاب اور خدا کی قہاری کا بے موقع تذکرہ ہے۔

تدریجی انداز اختیار کیا جائے!

اسلامی دعوت کے لیے داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بھی مقرر فرمایا، کہ جب کسی نئی قوم کو دعوتِ اسلام دی جائے تو اس کے سامنے درجہ بدرجہ اسلامی عقائد اور اعمال پیش کئے جائیں۔ ایک دفعہ ہی دین کا سارا بوجھ اس پر نہ ڈال دیا جائے۔ جس سے وہ گھبرا اُٹھے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن میں دعوتِ اسلام کے لیے روانہ کرتے وقت فرمایا۔ لوگوں کو پہلے توحید و نبوت کا پیغام دینا۔ جب وہ اسے تسلیم کرلیں تو پھر نماز کی ضرورت بتانا۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو زکوٰۃ و خیرات کی فضیلت اور فوائد سمجھانا۔

(بخاری ج ۲، ص ۲۶۳)

تالیف قلب اور خیر خواہی!

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے تالیف قلوب یعنی لوگوں کی دِلی ہمدردیاں اور قلبی محبت حاصل کرنا بھی ضروری قرار دیا۔

داعیٔ حقؐ نے اس بارے میں جو نہایت اعلیٰ اور اونچا اسوۂ حسنہ پیش کیا وہ دعوتِ اسلام کی کامیابی کا اہم راز ہے۔ دعوت دین کا کام اپنے ذمے لینے والوں کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، کہ داعی اور مبلّغ کو عوام کا ہمدرد خادم اور خیر خواہ ہونا چاہیے۔ مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرے۔ ہر دُکھ درد میں ان کا خیال رکھے۔ ان کے ساتھ میل جول بڑھائے۔ عام زندگی میں لوگوں کے ساتھ غم خواری سے پیش آئے۔

اس طرح لوگوں کے دل میں ان کا اثر قائم ہوگا۔ اور پھر جو بات کہے گا لوگ اسے توجہ سے سنیں گے۔ انسان احسان کا بندہ ہے۔ اپنے محسن کی بات کو قبول کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بدوی نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اس وادی کے بیچ میں جس قدر بکریاں ہیں وہ سب مجھے دے دیجیے۔ آپ نے اس کے سوال کو پورا کر دیا۔ اور تمام بکریاں اسے عطا کر دیں۔

وہ دیہاتی اپنے قبیلہ میں آیا اور خاندان کے لوگوں سے کہا۔ بھائیو! اسلام قبول کر لو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو اتنا عطا کرتے ہیں کہ انھیں اپنے غریب ہونے کا ڈر نہیں رہتا۔

(مسلم باب جود رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۲۹۰)

دعوت و تبلیغ میں زبردستی نہیں!

اور ان تمام اصولوں کے ساتھ ساتھ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے اعلیٰ اصول اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تبلیغ و اشاعت کے کام میں زبردستی، جبر اور تشدد کو ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دے دیا۔

اور ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی تبلیغ و اشاعت میں نرمی، شفقت، غم خواری، شیریں کلامی اور عملی طور پر عوام کی خدمت کو ضروری قرار دیتا ہو وہ اس بات کو کیا برداشت کر سکتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خدا کی باتیں اُتارنے کے لیے ڈنڈے اور تلوار سے کام لیا جائے۔

اسلام جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ دینِ برحق ایک عقلی اور سراسر فطری اور علمی مذہب ہے۔ اسلام کوئی مصنوعی اور رواجی مذہب نہیں۔ اور عقل کے خلاف نہیں۔ ہر عہد کی ضرورتوں اور تقاضوں کا اس میں جواب موجود ہے۔ تو پھر وہ تلوار اور طاقت کا نام لے کر اپنی توہین کیسے کرے گا؟ اور اپنی قدر و قیمت کیسے گھٹائے گا؟

روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لیے صرف یہ مطالبہ کرتی ہے کہ آنکھیں کھول لو، آنکھوں کے سامنے سے حجاب دُور کر لو، روشنی نظر آ جائے گی۔ روشنی اپنے وجود کا یقین دلانے کے لیے کسی دوسرے خارجی سہارے کی محتاج نہیں۔

تبلیغی جماعتیں اور تعلیمی دستے!

ہر کام کی صلاحیت کا کمال یہ ہے کہ انسان وہ کام خود بھی اچھی طرح انجام دے اور

دوسروں سے بھی اچھی طرح انجام دلوائے، داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے دعوت کا کام کرنے اور دوسروں سے دعوت کا کام لینے، دونوں قسم کے کمالات سے نوازا تھا۔ آپ ایک کامیاب داعی بھی تھے اور داعی گر بھی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اور تبلیغ و تعلیم کا باقاعدہ ایک مستحکم نظام قائم فرمایا۔ یوں تو ہر صحابی دین کے داعی اور مبلّغ تھے۔ حضورؐ کی تعلیم و تربیت کی بدولت ہر مسلمان میں اسلام کے ساتھ عقیدت و محبت کا وہ جوش و جذبہ پیدا ہوتا، کہ جس دولت اسلام سے وہ خود مالا مال ہے اس دولت سے دوسرے بندگان الٰہی کے دامن بھرنے کے لیے بھی بے تاب رہتا۔ یہ حالت تو عام صحابۂ رسولؐ ہی کی تھی، لیکن ان میں سے بعض حضرات صحابہ کو خصوصی طور پر دعوت کے کام میں اپنے آقا کا معاون و رفیق خاص بننے کا شرف حاصل تھا۔

مکہ معظمہ کی زندگی میں حضورؐ کے بعد اسلام کی دعوت کا نمایاں کام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انجام دیا۔ جن کی دعوت سے مکہ کے بڑے بڑے بااثر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تاریخ میں دوسرا اسم گرامی حضرت مصعب ابن عمیرؓ کا ہے۔ جن کے مؤثر وعظ و پند سے مدینہ منورہ کے گھرانے کے گھرانے توحید پرست ہو گئے۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد مبلّغین کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مدرسہ قائم ہوا۔ جسے ''صفہ'' کہا جاتا ہے۔ اور اس مقدس چبوترہ پر بیٹھ کر جن اکابر صحابہؓ نے دین کا علم حاصل کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔ انھیں اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان تربیت یافتہ داعیوں کے ذریعہ نہ صرف مختلف خاندانوں اور بستیوں میں دین کا پیغام پہنچایا۔ بلکہ سلاطینِ عالم کے پاس بھی انھیں دعوتِ حق کے لیے بھیجا۔ ان داعیانِ حق نے بڑی کامیابی کے ساتھ اسلام کی روشنی دُور دُور پھیلائی۔ اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس راہ میں ہر طرح کی تکلیفیں اٹھائیں اور جامِ شہادت بھی نوش فرمایا۔

بیر معونہ کا حادثہ ان داعیانِ حق کی قربانی کا نہایت عبرت ناک واقعہ ہے۔ جس میں ستّر کے قریب حضرات صحابہ دھوکے سے شہید کر دیئے گئے۔ ان حضرات کو قبیلہ کلاب کا سردار ابو براء کلابی اپنے قبیلہ میں دعوت و تبلیغ کے لیے ساتھ لے گیا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کی ذمہ داری پر ستر انصاری درویش اور نہایت جلیل القدر صحابی اس کے ساتھ کر دیئے۔ یہ حضرات جب بیر معونہ کے مقام پر پہنچے تو عامر ابن طفیل نے آس پاس کے قبیلوں کو بلا کر ان مقدس نہتوں پر حملہ کرا دیا۔ اور وہ شہید ہو گئے۔

اس تبلیغی جماعت کے اس بے دردی اور بدعہدی کے ساتھ قتل کئے جانے پر حضورؐ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی اس قدر صدمہ نہ ہوا۔ ایک ماہ تک آپؐ نے ان ظالموں اور بدعہدوں کے حق میں بددُعا فرمائی۔

اسی طرح رجیع کا واقعہ بھی بڑا اندوہناک ہے۔ عضل اور قارہ قبیلوں کے آدمی حضورؐ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ ہمارے خاندان نے اسلام قبول کر لیا ہے چند اصحاب کو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیج دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم ابن ثابتؓ کی قیادت میں دس اصحاب علم کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔

یہ تعلیمی دستہ جب مقام رجیع پر پہنچا تو ان لوگوں نے غداری کی اور بنولحیان کو اشارہ کر کے ان حضرات کو شہید کرا دیا۔

حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ بھی انھی بزرگوں میں سے تھے جنھیں زندہ گرفتار کر کے بعد میں شہید کیا گیا۔ ان دونوں بزرگوں کی شہادت کے واقعات محبتِ اسلام اور عشقِ رسولؐ کی زندۂ جاوید یادگاریں ہیں۔

دعوت کے کام میں غیر مسلموں کا تعاون

اسلامی دعوت کا کام خالص تعاون اور محبت کی راہ ہے۔ اس میں جبر و اکراہ، نفرت اور زبردستی کی معمولی سی جھلک بھی نقصان دہ ہے۔

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی مکمل حفاظت حاصل تھی۔ اور آپ رسول برحق ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے وعدۂ حفاظت پر پورا پورا یقین رکھتے تھے۔ اس کے باوجود جب حضورؐ مختلف قبیلوں میں دعوت کے لیے تشریف لے جاتے تو آپؐ ان کو دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اپنی حفاظت اور نصرت کے لیے بھی تیار کرتے۔ اور فرماتے:

"تم لوگ میری حفاظت کرو، تاکہ میں لوگوں میں خدا کا پیغام پہنچا دوں۔"

عربوں کا یہ قومی شعار تھا کہ جب ان کا کوئی دشمن بھی ان سے حمایت طلب کرتا تو وہ انکار نہ کرتے اور اس کی حفاظت کرتے۔

حضورؐ جب قبیلہ بنی عامر میں دعوت کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے آپؐ پر پتھراؤ کیا۔ حضورؐ وہاں سے واپس چلے آئے اور قبیلہ بنی محارب کے پاس آئے اور اس قبیلہ کے سردار سے حمایت طلب کی۔ یہ ایک نہایت عمر رسیدہ شخص تھے۔ جن کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔

"ودعا الی الاسلام ان یمنعه' حتیٰ یبلغ رسالة ربه."

اس بوڑھے نے ابولہب کے ڈر سے حضورؐ کو اپنی حمایت میں لینے سے انکار کر دیا ابولہب اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔

عکاظ کے میلہ میں قبیلہ بنی کندہ سے بھی آپ نے حمایت طلب کی اور فرمایا:

"دعو کم الی اللّٰه وحده' لاشریک له' وان تمنعونی بما تمنعون منه انفسکم فان اظهر فانتم الخیار." (دلائل النبوہ ص ۱۰۱)

ترجمہ: میں تمھیں خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ جس طرح تم اپنے جانوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اسی طرح میری حفاظت کرو اگر میں غالب ہو گیا تو تمھیں اختیار ہوگا۔ تم پر کسی طرح کا جبر نہیں ہوگا۔

قبیلہ کی اکثریت نے کہا۔ اس کی بات ٹھیک ہے۔ لیکن **"نعبد ما کان یعبد اٰبائنا"** اس کی حمایت ضرور کریں گے۔ لیکن پرستش انھیں دیوتاؤں کی کریں گے۔ جن کی ہمارے بڑے کرتے رہے ہیں۔

عرب کے ایک قبیلہ نے آپ کی دعوت پر کہا۔

"لانطردک ولانومن بک۔" (نہ ہم تم کو دھتکاریں گے اور نہ ایمان لائیں گے۔ تم اپنی تبلیغ کرو)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے۔ اور وہ اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ ص ۱۰۰)

اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے تبلیغی سفر سے واپس ہوئے تو حراء میں قیام فرمایا۔ اور مکہ کے رئیس مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تم مجھے اپنی حمایت میں

لے سکتے ہو؟ مطعم نے آپ کی درخواست قبول کر لی۔ اور اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا۔ ہتھیار لگا کر حرم میں آ جاؤ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطعم کی حمایت میں مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ مطعم ایک اونٹ پر سوار آپؐ کے ہمراہ تھا۔ حرم میں آ کر اس نے اعلان کیا۔ ''میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے دی ہے۔'' حضورؐ نے حرم شریف میں نماز ادا کی۔ اور اپنے دولت خانہ پر واپس ہوئے۔ مطعم اور اس کے لڑکے آپ کو اپنی تلواروں کے سایہ میں پہنچا کر گئے۔

مطعم نے بحالت کفر غزوۂ بدر سے پہلے وفات پائی دربار رسالت کے شاعر حضرت حسان نے ان کی وفات پر مرثیہ لکھا۔ محدثین نے یہ مرثیہ نقل کیا ہے۔ اور ایک محسن رسولؐ ''غیر مسلم'' کے مرثیہ کو نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ بے شک مطعم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک اس کے بہترین محاسن میں سے ہے۔ مرنے کے بعد مطعم کے محاسن کا ذکر کرنا غیر مناسب نہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۱، ص ۲۲۸)

یہی وہ مطعم ابن عدی تھے۔ جنھوں نے چند دوسرے قریشی سرداروں کے ساتھ شعب ابی طالب کے تین سالہ محاصرہ کو ختم کرایا۔ اور حرم میں آ کر معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور حضورؐ کو بنی ہاشم کے دوسرے افراد کے ساتھ گھاٹی سے باہر لائے۔

مطعم ابن عدی کا یہ کردار اور اس پر حسان ابن ثابت کی مدح سرائی کا واقعہ نقل کر کے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں۔

مطعم کا یہ کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا۔ لیکن آج کل کے مسلمان حضرت حسانؓ اور زرقانیؒ سے زیادہ شیفتۂ اسلام ہیں۔ اس لیے معلوم نہیں کہ حضرت حسان کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں غیر مسلم حضرات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمایت و مدد طلب کی اور جن لوگوں نے اس راہ میں اپنا تعاون دیا۔ آپ نے اسے قبول فرمایا۔ اور مسلمانوں کی طرف سے اسے شکریہ کے ساتھ یاد رکھا گیا۔

قرآن کریم نے نیکیاں کرنے اور لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانے کی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے اور باہمی رفاقت و اعانت کی ہدایت کی ہے۔

"تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعُدوان."

(آل عمران)

ترجمہ: لوگو! نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ میں بڑا سبق موجود ہے۔ اور جب پوری اُمت مسلمہ ''خیر امت'' ہونے کے ناطے امر بالمعروف کا منصب رکھتی ہے تو پوری مسلم ملّت کا فرض ہے کہ وہ اس اسوۂ حسنہ کے اس پہلو سے بھی سبق حاصل کرے اور وہ یہ ہے کہ اپنے دینی اصولوں پر کاربندرہ کر خدا کے تمام بندوں کے ساتھ، ماننے والے ہوں یا نہ ماننے والے ہوں، سب کے ساتھ پیار محبت، میل جول اور خدمت ورفاقت کی روش اختیار کی جائے۔

اپنے اور خدا کے تمام بندوں کے درمیان اپنائیت اور خیر خواہی کے جذبات اور حالات پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ نفرت اور غیریت کی دیواریں دعوت وتبلیغ کی کامیابی کی راہ میں نا قابلِ عبور رکاوٹیں ثابت ہوتی ہیں۔

ہجرت کے موقع پر غیر مسلم رہبر سے کام لیا

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک عقلی اور فطری مذہب کے ہادی تھے۔ اور ایک عالمگیر رسول کی حیثیت سے آپ کا اسوۂ حسنہ زندگی گزارنے کا عالم گیر دستور تھا۔ اس لیے آپؐ نے اپنی دعوتی زندگی میں یہ بات بھی صاف کردی کہ داعی الی اللہ کو ظالموں کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اگر کسی غیر مسلم سے کام لینے کی ضرورت پڑے اور وہ اس کام میں اس غیر مسلم پر بھروسہ رکھتا ہو تو اسے ایسا کر لینا چاہیے۔

ہجرت کا معاملہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نازک ترین مرحلہ تھا۔ اس موقع پر آپؐ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک پہنچانے کے لیے ایک غیر مسلم عبداللہ ابن اریقط دیلی سے معاملہ طے کیا۔ اور اس سے کہا۔ کہ وہ ہماری دونوں سواریاں ساتھ لے کر تین دن کے بعد غار ثور پر پہنچ جائے۔

صاحب مہذب کہتے ہیں:

"وکان خرِیتًا وھوا خبر بمسالک الصحراء..... والعالم بجغرافیة بلادالعرب علی اطبعیة لکون ھادیا و مرشداً لھما فی ھجرتھما من مکة الی المدینة."

ترجمہ: عبداللہ ابن اریقط ریگستانی راستہ کا بہت بڑا ماہر تھا اور عرب کے جغرافیہ کا عالم تھا۔ آپؐ نے اس سے معاملہ طے کیا۔ تاکہ وہ ہجرت کے وقت آپ کو اور صدیق اکبر کو مکہ سے مدینہ پہنچائے۔

چنانچہ عبداللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکل جانے کے تین دن بعد غار ثور پر پہنچ گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھی کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ مکہ سے مدینہ پہنچا دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک غار ثور میں پناہ گزیں رہے۔

سیرت رسولؐ کے اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل و تدبر کی روشنی میں راستہ کے ایک ماہر کو اپنے ساتھ لیا۔ حالانکہ وہ غیر مسلم اور قریشیوں کا ہم مذہب تھا۔ اور قریش کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت جھگڑا تھا۔ آپ نے یہ خیال نہ کیا کہ عبداللہ کہیں اس راز کو قریش کے پاس نہ پہنچا دے اور دھوکہ دے کر ہمیں گرفتار نہ کرا دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ کو معاملہ کی صورت میں دیکھا۔ عبداللہ کو گراں قدر اجرت دینے کا وعدہ کیا۔ اور اس سے وہ کام لیا جو اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاجارہ میں حضرت عائشہؓ سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جن آیات میں غیر مسلموں کو دوست بنانے اور راز دار بنانے کی ممانعت کی ہے ان کا تعلق جنگ و حرب کے حالات سے ہے۔

اور ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر مسلم، مسلم دشمنی کا واضح کردار رکھتے ہوں اور کھل کر مسلمانوں کے خلاف نکل کھڑے ہوں، ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جائے جیسا کہ ان کا اپنا کردار ہے۔

البتہ زندگی کی عام ضرورتوں میں اہلیت اور صلاحیت کو دیکھا جائے۔

دعوتِ عام اور ہماری ذمہ داری

جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۱۹۵۷ء میں دینی تعلیم کا تربیتی کورس حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ کی سرپرستی میں شروع ہوا۔ تربیتی کلاسوں کے لیے زینت المساجد دہلی مرکز مقرر ہوئی۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ امیر جماعت تبلیغ کو ایک مجلس میں تقریر کی دعوت دی گئی۔ مولاناؒ نے اس مجلس میں دعوت الی اللہ اور اُمت محمدیہ کے فرض پر اظہار خیال فرمایا۔

اس مجلس میں راقم نے مولاناؒ سے کچھ سوالات کئے۔ وہ سوال و جواب ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۵۸ء میں شائع کئے گئے۔ چونکہ اس گفتگو سے دعوت اِلی اللہ کے بعض اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے قارئین کے استفادہ کے لیے اسے پیش کیا جارہا ہے۔ (اخلاق حسین)

بزرگ محترم حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دعوت اِلی اللہ کا فرض صرف انبیاء علیہم السلام پر عائد تھا، انبیاء سابقین کی اُمتیں دعوت کی مکلّف نہیں، یہ خصوصیت صرف اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کو حاصل ہے کہ وہ دعوت کے منصب پر فائز ہے۔

راقم: جہاں تک راقم نے قرآنِ حکیم کا مطالعہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت اِلی اللہ ہر دَور میں اصحابِ حق کا فرض منصبی رہا ہے۔ یہ فرض صرف آخری اُمت ہی پر عائد نہیں ہوا۔

ذیل کی آیات کو راقم نے بطور استدلال پیش کیا:

بنی اسرائیل کو ملعون قرار دینے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم ذالک بما عصوا و کانوا یعتدون. کانوا لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ماکانوا یفعلون." (سورۂ مائدہ)

ترجمہ: ملعون ہوئے بنی اسرائیل کے کافر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر، یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو اس بُرائی سے

نہیں روکتے تھے۔ جس میں وہ مبتلا ہوتے تھے کیا ہی بُرا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل پر اگر ''نہی عن المنکر'' فرض نہ ہوتا تو اس کے چھوڑنے پر وہ لعنت کے مستحق نہ ہوتے۔ کسی امر مستحب کے ترک کرنے پر سزا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بنی اسرائیل میں ''اصحابِ سبت'' کا واقعہ مشہور ہے یہ لوگ باوجود قانونی پابندی کے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرتے تھے اور اپنے اِس فعل کے لیے ایک مکارانہ حیلہ تراش رکھا تھا۔

ان لوگوں میں تین قسم کے آدمی تھے، ایک مجرم، دوسرے ساکت یعنی وہ لوگ جو ان مجرموں کی اصلاح سے مایوس ہو کر خاموش بیٹھ گئے تھے۔ تیسرے مبلّغ اور ناصح یعنی جو آخری وقت تک شریعت کی خلاف ورزی پر لوگوں کو ٹوکتے رہے اور نفرت کا اظہار کرتے رہے۔

حضرت حق نے اس گروہ کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''فلما نسوا ماذکروا به انجینا الذین ینهون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون.'' (اعراف)

ترجمہ: پھر جب وہ بھول گئے اس کو جو انھیں سمجھا گیا تھا تو نجات دی ہم نے اُن کو جو منع کرتے تھے بُرے کام سے، اور پکڑا گنہگاروں کو عذاب میں بسبب اُن کی نافرمانی کے۔

آیت بتا رہی ہے کہ بُرائی سے روکنے والوں کو نجات ملی، اور ظالموں پر عذاب نازل ہوا — ظالموں سے کون لوگ مراد ہیں؟ — بعض اکابر کا خیال ہے۔ اس میں مجرم اور ساکت دونوں شامل ہیں۔ عذاب مجرم پر بھی آیا۔ اور اُن پر بھی آیا۔ جنھوں نے بڑھتے ہوئے جرم کو دیکھ کر خاموشی اختیار کی۔ نجات صرف اُنھیں ملی۔ جو آخر وقت تک دعوت الی الخیر کا فرض انجام دیتے رہے۔

اِس تفسیر پر یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ بنی اسرائیل پر نہی عن المنکر فرض تھی۔ اگر فرض نہ ہوتی تو اس کے چھوڑنے پر وہ افراد ہلاک نہ ہوتے۔

معذّب قوموں کے متعلق ارشاد فرمایا:

''فلولا کان من القرون من قبلکم اولوبقیة ینهون عن الفساد فی الارض الاقلیلا ممن انجینا منهم. (سورۂ ھود)

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں، ایسے لوگ جن میں خیر کا اثر

رہا ہو کہ وہ منع کرتے رہے زمین میں فساد پھیلانے سے مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے عذاب سے بچالیا۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں:

''نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے۔''

مطلب واضح ہے کہ جن قوموں پر عذاب آیا۔ اگر اُن میں ''نہی عن المنکر'' کرنے والے کثرت سے ہوتے، اور اُن کی وجہ سے پوری قوم بگاڑ سے محفوظ رہتی، تو اُن پر عذاب نہ آتا۔ مگر ہوا یہ کہ بُرائیوں پر روک ٹوک کرنے والے افراد بہت کم تھے۔ اس قدر کم تھے کہ اُن کی آواز نقارخانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئی۔ اور ساری قوم بُرائیوں میں مبتلا ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوم پر عذاب آ گیا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے ''امر بالعروف'' کی تاکید فرمائی۔ اور کہا:

''یا بنّی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک.'' (سورۂ لقمان)

ترجمہ: اے بیٹے! قائم رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات اور منع کر بُرائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا بیٹا پیغمبر نہ تھا۔ بیٹے کو باپ نصیحت کر رہے ہیں اور نماز کے ساتھ اُس کو بیان کر رہے ہیں۔ اس سے امر بالمعروف کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور یہ معلوم ہو رہا ہے کہ پچھلے لوگوں پر بھی امر بالمعروف فرض تھا۔

فرعون مصر کے خاندان کا وہ شخص جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفیہ ایمان لے آیا تھا۔ اور بڑے نازک موقع پر اس نے اپنے ایمان کا اعلان کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی۔ اُس شخص نے اپنی قوم سے کہا:

''ویاقوم مالی ادعوکم الی النجاۃ و تدعوننی الی النار. (مومن)

ترجمہ: اے قوم! مجھ کو کیا ہوا ہے۔ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ اور تم مجھ کو آگ کی طرف بلا رہے ہو۔

آلِ فرعون کے اس مردِ مومن نے جس طرح جان جوکھوں میں ڈال کر آلِ فرعون کو

ایمان کی دعوت دی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص دعوت الی اللہ کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اگر وہ فرض نہ سمجھتا تو اپنے ایمان کو کافی خیال کرتا اور دوسروں کو اس کی دعوت نہ دیتا۔

بزرگ: درست ہے۔ اِن آیات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمام اُمتوں پر فرض رہا ہے۔ لیکن ان آیات سے دعوت الی اللہ کی فرضیت کا عموم ثابت نہیں ہو رہا۔ امر بالمعروف اور دعوت الی اللہ میں فرق ہے۔ دعوت الی اللہ صرف ایمان باللہ کی دعوت کا نام ہے۔ اور امر بالمعروف شریعت کے تمام اوامر و نواہی کی تبلیغ کا نام ہے۔ یعنی دعوت خاص ہے اور امر بالمعروف عام ہے۔

راقم نے عرض کیا کہ جو مفہوم امر بالمعروف کا اُوپر پیش کیا گیا اس میں تو ایمان باللہ کی دعوت شامل ہے۔ خدا کی ہستی اور اُس کی توحید پر ایمان لانا سب سے بڑا معروف ہے۔ اور شرک سب سے بڑا منکر ہے۔ تو پھر جن قوموں پر ''معروف کا امر اور منکر کی نہی فرض تھی۔ کیا اُن پر، لوگوں کو ایمان کی طرف بلانا اور شرک سے روکنا فرض نہ ہوگا؟

حاصل یہ کہ اگر پہلی اُمتوں پر امر بالمعروف کی فرضیت، قرآنِ کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہو رہی ہے۔ تو اس سے دعوت اِلی اللہ کی فرضیت کا ثبوت بھی بالکل واضح ہے۔

درحقیقت قرآن کریم نے حق کی تبلیغ کے لیے جو اصطلاح عام پور پر استعمال کی ہے وہ امر بالمعروف کی ہے۔ دعوت الی اللہ کا لفظ تو مشکل سے دو تین جگہ ہی نکلے گا۔

ایک جگہ — لہٗ دعوۃ الحق — ہے۔ لیکن اس جگہ خدا کو پکارنے کے مفہوم میں مستعمل ہے۔

دوسری جگہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو — داعیًا اِلَی اللّٰہ — کہا گیا ہے۔

تیسری جگہ دعوتِ حق کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اسے بہترین بات فرمایا گیا ہے — ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللّٰہ.

ایک دوسرے بزرگ: نے مداخلت فرماتے ہوئے کہا۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر سے الگ ہو کر اور پیغمبر کے بعد جس اُمت پر دعوت اِلی اللہ فرض ہے وہ اُمت، صرف آخری اُمت ہے، پہلی اُمتوں پر دعوت الی اللہ اگر فرض تھی تو اپنے رسول کے ساتھ اور اپنے رسول کی معیت میں فرض تھی۔

راقم: نے عرض کیا۔ اوّل تو یہ فرق قرآنِ کریم میں کسی مقام پر مذکور نہیں ہے۔ پھر اگر

اسے تسلیم بھی کرلیا جائے۔ تو پھر آخر اُمت کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ اُمت کسی وقت بھی پیغمبر کی معیت سے محروم ہوسکتی ہے۔ ایک معنی میں تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حیات ہیں اور اُمت میں موجود ہیں۔ اور دوسرے معنی میں ''علماء اُمتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔'' کی بشارت موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس اُمت میں علمائے حق کی موجودگی وہی معنی رکھتی ہے جو معنی اور اثر اُمت میں پیغمبر کی موجودگی کا ہوتا ہے۔

پس کسی لحاظ سے بھی ''اُمتِ محمدؐ'' صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رسولؐ کی رفاقت اور سرپرستی سے محروم نہیں ہے۔ مادی اعتبار سے حضورؐ پردہ فرما چکے ہیں۔ لیکن آپ کے جانشین علماء حق موجود ہیں۔ جو اُمت کی رہنمائی اور ہدایت کا فرض انجام دے رہے ہیں۔

روحانی اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی ہدایت کی طرف اسی طرح متوجہ ہیں۔ جس طرح اس مادی حیات میں متوجہ تھے۔ انھیں خصوصیتوں کے باعث حضورؐ کی حیات کا اقرار کیا جاتا ہے۔ اور اس دائمی توجہ کا نتیجہ ہے۔ کہ سینکڑوں برس دور ہدایت سے دور ہوجانے کے باوجود اس اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ ایسا موجود رہے گا جو حق پر قائم رہے گا۔ اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتا رہے گا۔

''لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق.'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔

راقم نے عرض کیا کہ ہمیں دراصل مغالطہ ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے یہ کہیں نہیں فرمایا۔ کہ تبلیغ و دعوت صرف اُمت محمدؐیہ کا منصب ہے۔ قرآن حکیم نے جو کچھ کہا وہ یہ ہے۔

''کنتم خیر امت اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر.'' (قرآن الحکیم)

ترجمہ: تم بہترین اُمت ہو تمھیں عام انسانوں کے لیے کھڑا کیا گیا ہے تاکہ تم انھیں نیکی کا حکم دو، اور بُرائی سے روکو۔

قرآن کریم نے جس بات کو خصوصیت قرار دیا ہے۔ وہ محض دعوت نہیں بلکہ ''دعوت عام'' ہے۔

مطلق دعوت ہر اُمت پر فرض تھی اور ہر اُمت کے لیے دعوت و تبلیغ کا دائرہ اتنا ہی وسیع

تھا جتنا کہ اُس کے رسول کے پیغام کا دائرہ وسیع تھا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا پیغام صرف بنی اسرائیل کے لیے تھا تو ان رسولوں کی اُمتوں پر دعوت بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے ضروری تھی۔ جیسا پیغام ویسا ہی دعوت و تبلیغ کا منصب۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ اس لیے ساری نوعِ انسانی کو دعوت دینا آپ کی اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اور یہی ہے آپ کی اُمت کی خصوصیت۔ بہر حال یوں تو کہا جا سکتا ہے کہ حق کی دعوتِ عام اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ بلا امتیاز ملک وملّت تمام انسانوں اور قوموں کو اسلام کی حقانیت کا پیغام دینا یہ اسی اُمت کا امتیاز ہے۔ اور اسی امتیاز پر خدا تعالیٰ نے، اس اُمت کو خیر اُمت کے خطاب سے معزز فرمایا ہے۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کا منصب صرف اسی اُمت کو حاصل ہوا ہے اور اب تک یہ کام رسولوں نے انجام دیا ہے۔

اربابِ وعظ وارشاد سے گذارش!

(یہ مضمون ماہنامہ دارالعلوم ۱۹۵۸ء جنوری میں شائع ہوا)

ہمارے اختلافات نے مذہب کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ مذہب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ آسان ہے۔ ہمارے اختلافات نے اس خوبی کو لوگوں کے نزدیک مشتبہ کر دیا ہے۔

قرآن پکارتا ہے، مذہب آسان ہے، مذہبی زندگی اختیار کرو، ہم مذہب کی ایک ایک بات میں وہ لمبی چوڑی بحثیں کرتے ہیں کہ لوگوں کو مذہب ہوا نظر آنے لگتا ہے۔ اور وہ علماء کی نہ ختم ہونے والی بحثوں کو دیکھ کر قرآن کی اِس پکار کو مذاق سمجھنے لگتے ہیں۔

ظاہر بات ہے۔ اگر مذہب آسان ہے تو اس میں لمبی چوڑی موشگافیاں کیسی؟ اگر اسلام آسان دین ہے اور روشن شریعت ہے۔ تو پھر اربابِ شریعت میں سے ہر شخص کا یہ دعویٰ کیسا کہ مذہب کو میرے سوا کوئی دوسرا نہیں سمجھتا؟

یہ بہت سیدھا سادھا سوال ہے۔ جو عام لوگوں کو مذہب کی طرف سے بدگمان کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے اس اعلان پر غور کیجیے۔

"یریداللّٰہ بکم الیسر و لایریدبکم العسر." (القرآن الحکیم)

ترجمہ: خداتعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کاارادہ کرتا ہے۔تنگی کا اِرادہ نہیں کرتا۔

یعنی وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں کو کسی قسم کی تنگی میں نہ ڈالے،اس کے بندے کسی قسم کی مشکل میں نہ پھنسیں۔ بے شک خداتعالیٰ انسانی زندگی کو مذہب کا پابند بنانا چاہتا ہے۔ انسان کے اعمال اور خیالات کو مذہب کے ماتحت رکھنا ضروری سمجھتا ہے مگر مذہب کے نام سے وہ انسان کو زندہ درگور کرنا نہیں چاہتا۔اُس کا بھیجا ہوا مذہب ایسا ہے۔جس کی پابندیاں کمزور انسان کی قوتِ برداشت سے باہر نہیں ہیں،وہ چاہے تو دین کی ذمہ داریوں کو ہنستا کھیلتا اُٹھا سکتا ہے۔

مذہب کے ٹھیکہ داروں نے مذہب کو ہوّا بنادیا تھا،دین بگڑتے بگڑتے اتنا بگڑ گیا تھا۔ کہ یہودیوں کے ہاتھوں بھی عیسائیوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں بھی یہ ایک ناقابل برداشت بوجھ بن کر رہ گیا تھا۔دُنیا مذہب کے نام سے بھی بھاگتی تھی،جن لوگوں نے اپنے آپ کو مذہبی آدمی بنارکھا تھا۔اُن کی زندگی سے لوگ نفرت کرتے تھے۔

قرآنِ کریم نے ایسے حالات میں دین کی صحیح تصویر پیش کی۔اور بتایا کہ سچا دین وہی ہے۔جس پر فطرتِ انسانی لبیک کہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے ہوئے حضرت حق نے ارشاد فرمایا:

"ویحلّ لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم و الاغلال التی کانت علیھم." (اعراف۱۸)

ترجمہ:اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ناپاک چیزیں،اور اُتارتا ہے اُن پر سے اُن کے بوجھ،اور وہ قیدیں جو اُن پر تھیں۔

یعنی خدا کا دین لوگوں کے ہاتھ میں اِس قدر بگڑ گیا تھا کہ پاک چیزیں ناپاک قرار دے دی گئی تھیں۔اور حرام اور ناپاک چیزوں کو لوگ حلال اور پاکیزہ سمجھنے لگے تھے۔اور غیر ضروری باتیں دین و مذہب کا حصّہ بنادی گئی تھیں۔اِس طرح دین ایک بوجھ بن گیا تھا۔

خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دین کو اس کی اصلی شکل دی۔دین کو آسان کیا، زحمت کے بجائے رحمت بنایا۔

یہی سب سے بڑا کمال ہے دین حق کا۔ اور یہی سب سے بڑی پہچان ہے خدا کے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی۔

پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ اہتمام فرماتے تھے۔ کہ جو صحابہؓ لوگوں کی ہدایت اور تبلیغ کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ اُنھیں خاص طور پر حضورؐ یہ تاکید فرماتے تھے۔

"یَسِّرا ولا تُعَسِرا بَشِّرا وَلا تُنفِرا."

ترجمہ: لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، لوگوں کو تنگی میں نہ ڈالنا، لوگوں کو خوش کرنا، ناخوش نہ کرنا۔

ایک مبلّغ، دین کا عالم اور وہ شخص جو دین کی تعلیم دینے اور دین کو سمجھانے کا ذمہ دار بنتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس تلقین کا مخاطب ہے۔

ایک مبلّغ اگر دین کو سمجھ داری کے ساتھ پیش کرے۔ جس طریقہ پر حضورؐ نے اُسے عرب جیسی اَلھڑ قوم کے سامنے پیش کیا۔ اِسی طرح اس دین کی تبلیغ کرے تو خدا کا دین دِلوں میں اُتر جائے۔ خدا کے بندے ذوق شوق سے اِس پر چلنے کی کوشش کریں — لیکن ہوتا یہ ہے کہ اربابِ علم کسی نہ کسی خاص مکتبِ خیال کی فضاء میں پرورش پاتے ہیں۔ اپنے حلقہ کے خیالات کو وحی سمجھنے کی تعلیم شروع ہی سے اُنھیں دی جاتی ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تبلیغ کو سمجھانے کے لیے اُن کے اساتذہ اُن پر ایک دن صرف نہیں کرتے، اُٹھتے بیٹھتے اگر اُن کے ذہن کو پلایا جاتا ہے تو یہ کہ جس طرح ہم نے دین کو سمجھا یا ہے بس وہی حق ہے۔ اِس کے علاوہ سب غلط ہے۔

اِس ماحول سے جو تعصب ایک طالب علم کے سادہ ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس عالم دین کی تبلیغ میں زہر ہوتا ہے۔ اُس کے وعظوں میں ہلاکتیں ہوتی ہیں، وہ نماز روزہ سے زیادہ اُسے ضروری سمجھتا ہے کہ لوگوں کو تیجے اور دسویں کا قائل کرے۔ وہ شعائرِ اسلام کی اہمیت بیان کرنے کے بجائے آمین اور سورۂ فاتحہ کے بارے میں اپنے مسلک کی حقانیت پر سارا زورِ تقریر و تحریر صرف کرتا ہے۔

ایک ارشاد میں حضورؐ نے "اُمت مسلمہ" یعنی مسلمانوں کو وجود میں لانے کا اِسی کو مقصد قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین."

ترجمہ: تم لوگ آسانیاں بڑھانے کے لیے وجود میں آئے ہو، دُشواریاں، اور تنگیاں پیدا کرنے کے لیے وجود میں نہیں آئے۔

بعض صحابہ کرامؓ نے احتیاط پسندی کے خیال سے اپنے اُوپر کچھ سختیاں عائد کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے فرمایا:

"لاتشددوا علیٰ انفسکم فاللّٰہ یشدد علیکم."

ترجمہ: تم خود اپنے اُوپر سختیاں نہ کرو، ورنہ خدا تعالیٰ تم پر سختیاں شروع کردے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دین کی آسانیوں پر مستقل باب قائم کیا ہے۔ اور اُس میں یہ واضح کیا ہے کہ شارع نے دین کو آسان رکھنے کے لیے کیا کیا تدبیریں اختیار کی ہیں۔

ذیل میں ان تدبیروں میں سے چند کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

اوّل: صاحبِ شریعت نے اِس کا اہتمام فرمایا کہ کسی عبادت میں کسی ایسی بات کو رُکن یا شرط قرار نہ دیا جائے۔ جس کا ادا کرنا دُشوار ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لولا ان اشق علیٰ امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ." (الحدیث)

ترجمہ: اگر مجھے اپنی اُمت کی دُشواری میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اُنھیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرو۔

یعنی اُمت کی دُشواری کے خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کو واجب وضروری قرار نہ دیا۔ بلکہ اس فعل کو مستحب اور مندوب رکھا۔ کہ جو شخص ہر نماز کے وقت مسواک کرے گا اجر ملے گا، اور جو اسے چھوڑ دے گا۔ اُس پر کسی قسم کا گناہ نہ ہوگا۔

دوم: صاحبِ شریعت نے اس کا بھی لحاظ رکھا کہ ان کاموں کو اطاعت میں داخل کیا جائے جو کام انسان کو طبعاً مرغوب ہوتے ہیں۔ تاکہ اگر ایک طرف ان باتوں پر عمل کرنے کے لیے عقل تقاضا کرے تو دوسری طرف اسی کے ساتھ طبعی شوق ورغبت بھی موجود ہو۔ اور اس طرح دونوں قسم کی رغبتیں اور تقاضے جمع ہو جائیں اور انسان آسانی سے اُن پر عمل کرے۔

مثلاً مسجدوں کو پاک رکھنا، صاف ستھرا رکھنا، جمعہ کے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، قرآنِ کریم کو خوش الحانی سے پڑھنا، اذان بھی خوش آوازی کے ساتھ دینا۔ یہ تمام باتیں سنت ہیں، ان کا شریعت میں بڑا اجر وثواب ہے۔ ان باتوں کو اگر عقل اچھا سمجھتی ہے تو ان کو انسان کا ذوقِ سلیم بھی پسند کرتا ہے۔ اِس لیے ان باتوں پر آسانی سے عمل ہوجاتا ہے۔

سوم: شریعت نے ان باتوں کو ناپسندیدہ قرار دیا جو انسان کو طبعاً بُری معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی غلام یا مجہول النسب شخص کو امام بنانا۔ شرعاً یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ انسان کی طبیعت اس قسم کے لوگوں کو اپنا سردار بنانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی۔

چہارم: شریعت نے بعض اجتماعی رسموں کو اطاعت میں داخل کردیا۔ تاکہ ان رسموں کی وجہ سے عبادت کا ادا کرنا آسان ہوجائے۔ مثلاً انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر بیٹھے مجمعوں میں شریک ہو، اُس کے جسم پر اچھے کپڑے ہوں، وہ ظاہری آرائش سے مزین ہو، اور اس زیب وزینت میں وہ دوسروں سے سبقت لے جائے۔ چنانچہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں اِن رسموں کو بھی ثواب میں داخل کردیا۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لیے بڑے سے بڑے مجمع میں شریک ہونا سنت قرار دیا۔ اچھے کپڑے پہننے، خوشبو لگانے کو مسنون فرمایا:

پنجم: وعظ ونصیحت اور تعلیم وتذکیر کو ثواب قرار دیا تاکہ اِس نصیحت اور تعلیم کے ذریعہ انسان کو ہوشیار رکھا جائے اور اس میں سستی اور غفلت پیدا نہ ہونے پائے۔

ششم: خدا تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنی اُمت کے لیے دُعاء کرتے رہیں۔ کہ میری اُمت مہذب اور کامل ہوجائے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے دین وشریعت پر چلنا آسان ہوجائے۔

ہفتم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا کہ سب سے پہلے آپ اپنی زندگی کو اسلامی اعمال واخلاق کا بہترین نمونہ بنائیں۔ خدا کا جو حکم خدا کے بندوں کو پہنچائیں، اُس حکم پر پہلے آپ خود عمل کریں۔

چنانچہ آپ نے سب سے پہلے خدا کے احکام پر خود عمل کیا۔ لوگوں کو بتایا کہ ''میں اوّل المسلمین'' یعنی خدا کی وفاداری میں سب سے آگے ہوں۔

آپ کی عملی زندگی کو دیکھ کر لوگوں پر مذہبی احکام کی اطاعت آسان ہوگئی۔ اور یہ بات نفسیات انسانی کے عین مطابق ہے کہ وہ جب اپنے سے بڑے انسان کو عمل و اطاعت میں سب سے آگے دیکھتا ہے تو اُس میں بھی عمل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعمال میں میانہ روی'' کے باب میں بھی دین کی آسانی کے فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال میں میانہ روی اور اعتدال قائم رکھنے کی اِسی بناء پر تلقین فرمائی ہے کہ دین میں آسانی اور نرمی رہے۔ کسی کام کی زیادتی یا اُس کے ادا کرنے میں سختی انسان کو بہت جلدی اُس کام سے بد دل کر دیتی ہے۔ وہی کام انسان سے نبھتا ہے جس میں میانہ روی رکھی جاتی ہے۔

دین میں فرائض تو مقرر ہیں۔ مگر مستحبات کی مقدار مقرر نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحب اعمال کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''خذوا من الاعمال ماتطیقون فان اللّٰہ لایمل حتیٰ تملوا۔''

ترجمہ: وہ عمل اختیار کرو جو تمھاری طاقت کے مطابق ہو، خدا تعالیٰ ناخوش نہیں ہوتا جب تک کہ تم ناخوش نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی عمل کا اُس وقت تک اجر و ثواب مرحمت فرماتا ہے جب تک کہ اس عمل کو انسان خوشی خوشی کرتا ہے۔ اور جب خوشی سے عبادت کرنے کے بجائے زبردستی اور گرانی کے ساتھ وہ عبادت کرتا ہے تو اُس کا اجر و ثواب نہیں پاتا — اور ظاہر ہے کہ انسان اُسی عمل کو خوشی سے کرتا ہے جو اُس کی طاقت کے موافق ہوتا ہے۔ حدیث مذکورہ کا تعلق فرائض کی ادائیگی کے طریقوں سے بھی ہے یعنی یہ تو ضروری ہے کہ جمعہ کے روز دو فرض باجماعت ادا کئے جائیں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ان دو فرضوں میں قرآنِ کریم کی لمبی لمبی سورتیں پڑھی جائیں اور دس دس، پندرہ پندرہ مرتبہ رکوع اور سجدے میں تسبیحات کی تکرار کی جائے۔ بلکہ اُس میں موقعہ و محل کے لحاظ سے اختصار کو ملحوظ رکھا جائے۔ یا مثلاً یہ تو ضروری ہے کہ روزہ میں مسلمان صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے سے رُکا رہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سحری میں جَو کی روٹی اور کھجور کے چند دانوں کے سوا کچھ نہ کھائے اور اسے پیغمبر کی سنت سمجھے، بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھائے

تا کہ اس کے قویٰ میں دین و دُنیا کے تمام مشاغل ادا کرنے کی طاقت قائم رہے۔

آپ یہ خیال نہ کیجیے گا کہ یہ ہدایات دُنیادار مسلمانوں کے لیے ہیں۔نہیں! بلکہ ان ہدایات کا تعلق دنیادار مسلمانوں کے مقابلہ میں دیندار مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ شریعت پر چلنے کے بھی ذمہ دار ہیں اور دوسروں کو چلانے اور سمجھانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔ اور میں تو گستاخی کی معافی مانگتے ہوئے یہ بھی عرض کروں گا۔ کہ اُمت محمدیہؐ کے دینی پیشوا اپنی عملی زندگی میں تو دین کی سہولتوں اور رخصتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔مگر جب عوام میں خدا کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں تو اس آسان دین کو ہولناک ہوّا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس میں دو باتوں کو دخل ہوتا ہے۔

(۱) ایک ہماری بے شعوری کو۔

(۲) دوسرے ہمارے متعصب ذہن کو۔

کیا آج کے پُر آشوب حالات میں ہمارے دینی مدارس کا یہ اہم فرض نہیں ہے کہ وہ ایسے علماء اور مبلّغ تیار کریں۔ جن میں دین کا صحیح فہم اور دین کو عوام تک پہنچانے کی پوری بصیرت، اور مکمل سلیقہ ہو۔ نیز وہ ہر قسم کے گروہ بندانہ تعصّب سے خالی الذہن ہوں، دین کی تعلیم دیں، دین کو پھیلائیں۔اور اپنے مسلک کو ذہنوں میں اُتارنے کی جارحانہ کوشش نہ کریں۔

مبارک ہیں وہ اسلامی مملکتیں جن میں دینی رہنماؤں اور علماء شرع کے لیے احتساب کے محکمے قائم ہیں۔اور ان میں دین کے وعظ و تبلیغ کے لیے وہ چھوٹ نہیں ہے جو ہندوستان جیسے سیکولر ملکوں میں اظہار رائے کی آزادی کے نام سے لوگوں کو حاصل ہے۔

دعوت دین اور غلبۂ حق کے لیے
نبوت کا عملی طریقۂ کار

قیام دین اور دعوتِ حق کا کام ایک مسلمان کے لیے جتنا اساسی اور بنیادی ہے اتنا ہی غور و فکر اور فہم و تدبّر کا طالب ہے۔

یہ کام قطعی طور پر جذباتی نہیں، جوش و نعرہ بازی سے اس مقصد کو ضد ہے دعوت دین کے لیے اُٹھنے والوں میں اگر نبوت کی فطری حکمت عملی اور نفسیاتی تدبیروں پر گہری نظر نہ ہو تو

وہ دین کی خدمت کرنے کے بجائے اُلٹا اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ایمانی جوش یقیناً یہ چاہتا ہے کہ صاحبِ ایمان اپنے دین کو غالب و سربلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے اور اپنے آپ کو اس مقصد کی خاطر قربان کر دے۔ لیکن اگر وہ صاحبِ ایمان ہے تو اسے دیکھنا پڑے گا کہ ہادیِ دین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیونکر انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ اسلام اور دعوتِ دین کا کام جو لوگ محض سیاسی تحریکات کے طور پر شروع کرتے ہیں اور ان کا کام نبوت کے طریقۂ کار سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ تو وہ لوگ انجام کار میں ناکامی اور پھر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دین سربلند ہو جائے — یہ جذبہ بہت مقدس ہے۔ دین کی دعوت پھیل جائے — یہ خواہش بہت مبارک ہے۔ دنیا سے کفر و شرک کی طاقتیں مٹ جائیں — یہ تمنا عین تقاضائے ایمان ہے۔ مگر یہ تمنا اور خواہش عملی زندگی میں کس طرح بارآور ہو سکتی ہے۔

دین و مذہب کے آسمانی علمبرداروں، نبیوں اور رسولوں نے اپنی اس خواہش اور اپنے اس مقدس مشن کو کس طرح انجام کو پہنچایا ہے؟

اگر ہمارے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ نبوت اور خاص طور پر ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقۂ عمل اور آپ کی وہ سنت موجود نہ ہوگی تو ہمارے وہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔

ہماری وہ مبارک خواہش کبھی پوری نہ ہوگی۔ ہاں چند روز کے لیے ہمیں دنیا داعیانِ حق میں ضرور شمار کرنے لگے گی، ہمیں اس تحریک سے سیاسی اور مادی فوائد بھی حاصل ہو جائیں گے۔ مگر دین سربلند ہو جائے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

عام لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر آنے والے نبی نے مخاطب قوم کے قدیمی اور آبائی خیالات اور اس میں پھیلی ہوئی مذہبی رسموں اور مذہبی طریقوں کے خلاف ایک دم اعلان جنگ کیا ہوگا۔ اور غلبہ دین کی ایک پُر زور تحریک شروع کر دی ہوگی۔ اور قدیمی مراسم اور قدیمی خیالات کو یکسر مٹا کر ان کی جگہ بالکل نئے خیالات اور بالکل نئے طریقے جاری کر دیئے ہوں گے۔

لیکن نبوت کے طریقۂ اصلاح کے متعلق یہ نظریہ ناواقفیت اور سطحی معلومات پر مبنی ہے۔

پر کی ہے۔ یہی وحی ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ پر کی تھی اور وہ یہ تھی کہ دین قائم کرو۔ اور اس میں تفریق نہ ڈالو۔

تفسیر کے امام حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اوصیناک یا محمد، وایاهم دینًا واحدا."

ترجمہ: یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمھیں اور ان تمام رسولوں کو ایک دین کی وصیت کی۔

دوسری آیت میں فرمایا:

"لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجًا."

یعنی، ہم نے تم میں سے ہر ایک اُمت کے لیے ایک علیحدہ شریعت اور علیحدہ راستہ مقرر کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ **سبیلاً و سنةً**: یعنی راہ اور طریق الگ الگ رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ:

"اصل الدین واحد اتفق علیه الانبیاء علیهم السلام و انما الاختلاف فی الشرائع و المناهج."

یعنی دین حق کی اصل اور اس کی بنیاد ایک ہے جس پر تمام رسولوں کا اتفاق ہے۔ اختلاف اور فرق اگر رہا ہے تو عبادت کے طریقوں اور شکلوں میں رہا ہے

ملّت ابراہیمی اسلام کی بنیاد ہے

حجۃ اللہ البالغہ کے ۴۷ ویں باب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بتایا ہے کہ اصلاح کے لیے نبوت کے مذکورہ بالا طریقۂ کار کی روشنی میں اسلام نے عرب کے اُمیوں کے خیالات واعمال کی اصلاح کیوں کر کی؟

فرماتے ہیں:

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حقائق پر اگر غور وفکر کرنا مقصود ہو تو پہلے عرب کی اُمّی قوم کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اُمّی قوم میں آپ کی بعثت ہوئی تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اولین مخاطب مشرکین عرب کی

اصلاح کے لیے کیا کیا قدم اٹھائے اور کس کس طرح اٹھائے؟

"فاعلم انه صلی الله علیه وسلم بعث بالملّة الحنیفیه الاسما عیلیة لاقامة عوجها وازالة تحریفها و اشاعة نورها، وذالک قوله تعالٰی ملّة ابیکم ابراهیم."

یعنی، سمجھ لو! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے مبعوث ہوئے تھے، کہ ملّت حنیفیہ اسماعیلیہ کی کجی کو دُور کریں۔ اس میں جو ردّو بدل ہوگیا تھا۔ اس کی اصلاح کریں۔ اور اس کی روشنی کو پھیلائیں۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْم." (تمھیں تمھارے باپ ابراہیمؑ کی ملّت پر رکھا گیا ہے۔)

اسلام کے لیے جب ملّت ابراہیمی کی حیثیت بنیاد کی ہے تو ضروری تھا کہ اسلام میں ملّت ابراہیمی کے اصول قابل تسلیم ہوں اور اس ملّت کے طریقے اور روایات مقرر اور ثابت ہوں۔ کیونکہ کوئی نبی جب کسی ایسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے جس میں سنّت راشدہ کے آثار و نشانات باقی ہوتے ہیں تو اس سابق طریق ہدایت کے آثار میں تغیر و تبدل کرنا بے معنی اور بے ضرورت ہوتا ہے۔ انھیں اپنی حالت پر رکھا جاتا ہے اور اس قوم کے لوگ اس طریق ہدایت کو جلد ہی قبول کر لیتے ہیں۔

بنی اسماعیل میں ان کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا تھا۔ عمر ابن الحیّ نے اپنے دور میں ملّت اسماعیلی میں شرک داخل کیا۔ بت پرستی، سانڈ چھوڑنے کی رسم وغیرہ اسی کی ایجاد کردہ رسمیں ہیں۔ اس وقت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بگڑی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کر ملّت اسماعیلی کی اصلاح پر مامور فرمایا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب میں تبلیغ و دعوت شروع کی، ان میں جو مذہبی رسوم "شعائر الٰہی" کے مطابق تھے انھیں باقی رکھا۔ شرک و کفر کی جو باتیں ملّت اسماعیلی میں ملا دی گئی تھیں انھیں دور فرمایا۔ جو مسائل دور فترت یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانہ میں ترک کر دیئے گئے تھے ان کو از سرِ نو زندہ اور تر و تازہ کیا جیسے وہ شروع میں تھے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کا انعام مکمل اور ان کا دین مستقیم ہوگیا۔

ملّت ابراہیمی (یاملّت اسماعیلی) کے بقیہ آثار عربوں کے اندر کیا کیا موجود تھے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

عرب دور جاہلیت میں نبوت اور سلسلۂ انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی جزا وسزا کے قائل تھے۔ نیکی کے تمام اقسام اور اصول پر ان کا اعتقاد تھا۔ جو باتیں تمدن اور اجتماعی مفادات سے متعلق تھیں وہ ان کے استعمال میں تھیں۔ البتہ دو فرقے اس قوم میں پیدا ہو گئے تھے اور ان کا اثر کافی پھیل گیا۔ ایک فرقہ زندیقوں کا تھا۔ جو حیوانیت اور درندگیت کے کام کرتا تھا۔ جس کی ملّتِ اسماعیل میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ لوگ ملّت کے دائرہ سے خارج تھے۔

دوسرا فرقہ غافلوں اور مذہب سے لاپرواہ بے عمل لوگوں کا تھا۔ قریش اور دوسرے آس پاس کے قبائل میں انھی لوگوں کی کثرت تھی۔ تعلیم نبوت سے دُور ہونے کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوگئی تھی۔ قرآن نے کہا۔

"لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَاأُنْذِرَ اٰبَاءُ هُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ." اور فرمایا: "لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اَتَاهُمْ مِنْ نَذِيْرٍ."

ترجمہ: تاکہ اے نبی تم لوگوں کو ڈراؤ جن کے باپ دادا کو کسی نبی کے ذریعہ ڈرایا نہیں گیا تھا۔

لیکن یہ لوگ نبوت کی تعلیم سے اتنے دُور نہیں ہوئے تھے کہ ان کے سامنے دلائل پیش نہیں ہو سکتے اور ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اور انھیں مطمئن نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اہل جاہلیت میں جو باتیں تھیں وہ یہ تھیں:

(۱) یہ لوگ آسمان وزمین کے خالق کو تسلیم کرتے تھے۔

(۲) خالق میں کسی کو شریک نہیں جانتے تھے۔ البتہ خدا کے اعتقاد میں ان کے ہاں زندیقیت اس طرح پیدا ہوگئی تھی کہ یہ فرشتوں اور ارواح کو دنیا کے بادشاہی ندیموں اور سفارشیوں پر قیاس کر کے انھیں مستقل متصرف اور کارفرما ماننے لگے تھے۔

شریعتوں میں ان فرشتوں کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ یہ فرشتے کارخانہ ہستی میں بہت سے امور کی انجام دہی پر مامور ہیں۔ اور خدا کی بارگاہ میں ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ عرب جاہلیت میں ان ملائکہ کے ان کاموں کو ان کا ذاتی تصرف سمجھا جانے لگا تھا۔ اور یہ لوگ دنیا کے معاملات پر ان ملائکہ کی حالت کو قیاس کرنے لگے تھے۔ اہل جاہلیت تقدیر کے

بھی قائل تھے۔ امام حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں تقدیر کا ذکر کرتے تھے، شریعت اسلام نے اس عقیدے کو اور زیادہ مؤثر کردیا ہے۔

یہ لوگ جزا و سزا اور حلال و حرام کے بھی قائل تھے اور نبوت و رسالت کے تصوّر کو تسلیم کرتے تھے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب جاہلیت اگرچہ راہ راست سے دُور ہٹ گئے۔ مگر ان میں جو علم باقی رہ گیا تھا اس علم کے ذریعہ ان پر حجت تمام کی جاتی تھی۔

عمر ابن الحی سے پہلے جو حکماء عرب میں موجود تھے ان کے خطبوں کو دیکھو اور قیس بن ساعدہ اور عمر ابن نفیل کے خیالات پر غور کرو۔ زید ابن عمر ابن نفیل کے یہ اشعار مشہور ہیں:

اربـــاً واحـــداً ام الف ربّ   ادیـن اذا تـقـسـمـت الامـور

تـرکـت الـلات والعزی جمیعاً   کـذلک یـفـعل الرجل البصیر

ترجمہ: میں ایک خدا کو مانوں یا ہزار خداؤں کو جب کاموں کی تقسیم ہو، میں نے لات وعزیٰ کو چھوڑ دیا ہے۔ اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ ابن صلت کے حق میں فرمایا۔ اس کے شعروں میں ایمان ہے مگر اس کے دل میں نہیں ہے۔

یہ تمام تصوّرات عربوں میں موروثی طور پر چلے آرہے تھے اور ان کے علاوہ اہل کتاب کے خیالات بھی انھوں نے اپنے اندر داخل کرلیے تھے۔ اور ان کو یقین تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہ ہے کہ وہ اپنے خدا کے حضور میں سرنگوں ہو۔

عبادت کے معاملہ میں طہارت، غسل جنابت ان کا معمول تھا۔ ختنہ اور خصال فطرت کا وہ اہتمام کرتے تھے۔ حکماء عرب وضو کیا کرتے تھے، نماز بھی ان میں موجود تھی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے دو سال پہلے سے نماز پڑھ کرتے تھے۔ قیس ابن ساعدہ بھی برابر نماز پڑھتے تھے۔ خیر خیرات، مہمان نوازی، اہل و عیال کا نفقہ، صلۂ رحمی جیسے اعمال بھی ان میں موجود تھے۔

حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی فرمایا تھا۔

"فو اللّٰہ لایخزیک ابداً انک لتصل الرحم و تقری الضیف و

تحمل الکل و تعین علی نوائب الحق.''

ترجمہ: خدا کی قسم خدا تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔ زیر بار لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ یعنی ان کے کفیل بنتے ہیں۔ اور آسمانی حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہی، الفاظ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہے تھے اور ان کو ہجرت سے روک لیا تھا۔ فجر سے غروب آفتاب تک ان میں روزہ کا معمول بھی تھا۔ قریش عاشورے کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ مسجدوں میں اعتکاف بھی کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمرؓ نے ایک رات کے اعتکاف کی نذر کی تھی۔ بیت اللہ کا طواف اور حرمت کے مہینوں کا ادب و احترام کی تو قرآن نے وضاحت کی ہے۔ ذبح کرنے اور گردن میں برچھا مارنے (نحر کرنے) کا طریقہ بھی ان میں تھا۔ مائیں بیٹیاں اور بہنیں ان کے ہاں حرام تھیں۔

عمر ابن لحی حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سو سال (ابن حجرؒ کے نزدیک پانچ سو سال) قبل پیدا ہوا تھا۔ ان تین سو سالوں میں عرب کے اندر گمراہی بہت پھیلی غارت گری، لوٹ مار، زنا، فاسد نکاح، سود اور ترک نماز کا زور ہو گیا۔

اس بگاڑ پر خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح کے لیے بھیجا۔ آپ نے ملّت ابراہیمی کے صحیح حصّہ کو بحال رکھا، ضروری اصلاحات کیں۔ عبادات کے ارکان، شروط، مفسدات اور مستحبات مقرر کئے۔ گناہوں کی سزائیں اور کفارات شروع کئے۔

اور ملّتِ حنیفی کو ایک مکمل و مرتب دین کی شکل دے کر اس کی اشاعت کی۔ اور تمام مذاہب پر اسے غالب کرنے کی کوشش کی۔ خلافت کبریٰ قائم فرمائی۔ اپنے رفیقوں کو ساتھ لے کر جہاد کیا۔

یہاں تک کہ اللہ کا امر پورا ہو گیا اور مخالفین ناک بھوں چڑھاتے رہ گئے۔

حتّٰی تَمَّ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ کَارِھُوْن.

داعی اسلام اوّل المسلمین تھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے کامیاب ترین داعی اور مبلّغ تھے۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ آپ احکام الٰہی کے سب سے زیادہ فرماں بردار اور سب سے بڑے عبادت

گذار تھے۔

آپ لوگوں کو جو پیغام دیتے، سب سے پہلے اور سب سے زیادہ خود اس پر عمل کر کے دکھاتے۔ آپ کی اس صفتِ پاک کا حضرت حق تعالیٰ نے آپ سے قرآن کریم میں اعلان کرایا۔ سورۂ انعام کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

"قُلْ اِنَّ صَلاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ العالَمین لاشریک لہ و بذالک اُمِرْتُ وانا اوّلُ المسلمین."

ترجمہ: تم کہہ دو کہ میری نماز اور قربانی اور موت و زندگی سب اللہ کے لیے ہے جو سب کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرماں بردار ہوں۔

حضور کی اس صفت کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔

(۱) میں اپنی اُمت میں اور اپنے دَور میں پہلا مومن ہوں سب سے پہلے میں اپنے خدا پر ایمان لایا، پھر خدا کا پیغام دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ عام مفسرین نے اس کے یہی معنی کئے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں عام مفسرین کی تفسیر کے مطابق یہی معنی اختیار کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اور میں اِس دین والوں میں سب ماننے والوں سے پہلا ماننے والا ہوں۔"

(۲) دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ میں تمام نوع انسانی میں سب سے پہلا مومن ہوں۔ جامع ترمذی کی ایک مشہور روایت ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

"کنت نبیّا و آدم بین الروح والجسد." (یعنی میں اُس وقت نبیؐ تھا۔ جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے)

اس حدیث کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّل الانبیاء (پہلے نبیؐ ہیں)

پس جب آپ پہلے نبی ہیں تو پہلے مومن ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اِسی لیے بعض مفسرین نے "اول المسلمین" کے معنی یہی کئے ہیں کہ حضور تمام کائناتِ انسانی میں سب سے پہلے "مومن" ہیں۔

(۳) تیسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و یقین کا درجہ سب

سے اوّل و اعلیٰ ہے۔

خدائے برحق نے آپ کو ایمان و تسلیم کا وہ مقام عطا کیا ہے۔ جس میں کوئی دوسرا آپ کے برابر نہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے تفسیری حاشیے میں اِسی ''تقدم رتبی'' کو بیان کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے۔ کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اوّل المسلمین کے ترجمہ میں ''پہلا فرماں بردار ہوں'' کی جگہ ''پہلے فرماں برداروں'' کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ محاورات کے اعتبار سے یہ تعبیر اوّلیت رتبی کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اعتبار سے مومنِ اوّل ہیں۔ آپ اپنے دَور میں بھی اوّل مومن ہیں، تمام نوع انسانی میں بھی پہلے مومن ہیں۔ اور درجہ کے لحاظ سے بھی آپ کا ایمان کمال کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہے۔

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ''آفتابِ نبوت'' قرار دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں ہر مومن کا ایمان دراصل اس ایمانی نورِ اعظم کی شعاع ہے جو آفتاب نبوت سے پھیلتی ہے۔ جس قلبِ انسانی پر اس آفتاب نبوت کی شعاع پڑ جاتی ہے وہی ایمان و یقین کی روشنی سے جگمگا اُٹھتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و نظریات کے بہترین شارح حضرت مولانا عثمانیؒ کا ایک تشریحی نوٹ نقل کر دیا جائے۔ جو حضرت مولانا نے سورۂ احزاب کی حسب ذیل آیت پر لکھا ہے۔

''النَّبِی اولٰی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم.''

ترجمہ: نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں اُن کی مائیں ہیں۔

حضرت مولانا عثمانیؒ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اُمتی کا ایمان و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پَرتو اور ظِل ہوتا ہے اور جو شفقت اور تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ مومن اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لیے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''آبِ حیات'' میں اس حقیقت کی پوری وضاحت کی ہے۔

سنتِ رسولؐ اور بدعت میں کیا فرق ہے؟

(حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مکتوب خواجہ عبدالرحمٰن کابلیؒ کے نام)

یہ بندۂ ناچیز حضرت حق سبحانہٗ سے کامل تضرع وزاری، کمال ذلت وانکساری کے ساتھ آپ سے ایک مسئلہ بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہ ہر وہ بات جو دین میں نئی داخل ہو چکی ہے۔ جس کا وجود جناب خیر البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہیں رہا ہے۔ اگرچہ وہ دیکھنے میں سپیدۂ صبح کے مانند روشن وخوشگوار ہو۔ اس بندہ ناچیز کو اس مجموعہ کے پیش نظر جو اس کے نزدیک مستند ہے۔ اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی یہ اُسے عمل کے لیے اختیار کرے۔ یعنی کسی بدعت کا حسنِ ظاہری اسے عاملِ بدعت نہیں بنا سکتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ بدعات دو قسم کی ہیں۔ ''حسنہ'' اور ''سیۂ'' بدعت حسنہ اُس بدعت کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد وجود میں آئی ہو۔ لیکن اس سے کسی سنت کا رفع (اٹھالیا جانا) ظاہر نہ ہوتا ہو۔ اور بدعت سیۂ وہ ہے جس کے وجود میں آنے سے کوئی سنت اٹھالی گئی ہو۔ یہ بندۂ ناچیز ان دونوں قسم کی بدعات میں سے کسی میں کوئی حسن ونورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت وکدورت کچھ محسوس نہیں کرتا۔

بالفرض کسی عاملِ بدعت کا عمل آج ضعفِ بصارت کی وجہ سے لوگوں کو اچھا دکھائی دیتا ہے۔ تو کل جب ان کی آنکھوں میں روشنی ہوگی وہ دیکھ لیں گے کہ نتیجہ میں سوائے خسارہ وندامت کے، اس کے پلے کچھ نہیں پڑا:

بوقت صبح شود، ہمچو روز معلومت | کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

سیّد البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد.''

ترجمہ: جس کسی نے ہمارے امر (دین) میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

پس وہ چیز جو مردود ہو، اُس میں حسن ورعنائی کہاں۔ اور فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

"فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ و خیر الھدی ھدی محمّد و شر الامور محدثاتھا و کل بدعۃ ضلالۃ."

ترجمہ: بہترین حدیث کتاب اللہ ہے۔ اور بہترین ہدایت، ہدایتِ محمدی ہے۔ اور بدترین امور بدعات ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"اوصیکم بتقوا اللہ و السمع و الطاعۃ و ان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین. تمسکوا بھا و عضوا علیھا بالنواجذ و ایاکم و محدثات الامور. فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ."

ترجمہ: میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی اور سمع و طاعت (سننے اور مان لینے) کی۔ اگرچہ تمھارا صاحب امر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا۔ وہ عنقریب اختلافِ عظیم دیکھے گا۔ پس تم میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنّت کو لازم پکڑنا واجب ہے تم اس سے چمٹے رہو اور اُسے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور محدثات سے خبردار رہو۔ اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی میں ڈالنے والی ہے۔

معلوم ہوا کہ جب ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی، تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی؟ ان احادیث سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی ہے کہ ہر بدعت رافع سنّت ہے اور سیئہ ہے۔ کوئی بدعت خصوصی طور پر مستثنیٰ نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ماحدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنّۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ."

ترجمہ: جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے۔ تو اس میں سے اسی بدعت کے مثل ایک سنّت

اٹھالی جاتی ہے۔ پس سنت کو پکڑے رہنا اچھا ہے بدعت کی ایجاد سے۔

حضرت حسانؓ فرماتے ہیں:

ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الانزع اللّٰه من سنتهم مثلها ثم لایعیدها الیهم الی یوم القیامة.

ترجمہ: جب کوئی قوم اپنے ہاں بدعت پیدا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں سے اسی بدعت کے مثل ایک سنت کو سلب کر لیتا ہے۔ اور اسے پھر قیامت تک نہیں لوٹاتا۔

پس جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جنھیں علماء مشائخ سنت سمجھتے ہیں جب ان میں غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بجائے سنت ہونے کے رافع سنت ہیں۔ مثلاً تکفین میت میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی رافع سنت ہے اس لیے کہ کفنِ میت میں تین کپڑے دینا سنت ہے اور یہ سنت عمامہ کی زیادتی سے گویا منسوخ ہوگئی۔ یہ منسوخ ہونا ہی اُٹھالیا جانا ہے۔ اسی طرح بعض مشائخ جانب راست سے ارسال فش کو مسنون کہتے ہیں۔ حالانکہ ارسال فش کا مقام مونڈھوں کے درمیان ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہوئی۔ اسی طرح نیت نماز میں — علماء اس بات کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ ارادۂ قلب کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے الفاظ دہرائے جائیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ بات ثابت نہیں اور نہ صحابۂ کرامؓ و تابعینِ عظام سے ہی ثابت ہے۔ کہ نیت نماز زبان سے کرتے رہے ہوں۔ بلکہ جب اقامت کہہ چکتے تو تکبیر تحریمہ کہا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ زبان سے نیتِ نماز کا اعادہ بھی بدعت ہے۔ اور اس بدعت کو علماء بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اس فقیر کی رائے میں تو یہ بدعت رافع سنت کیا معنی رافع فرض ہے۔ اس لیے کہ اکثر لوگ نیت زبانی پر اکتفا کر کے نیتِ قلبی سے غافل رہتے ہیں۔ اور فرائض نماز میں سے ایک فرض ''نیتِ قلبی'' متروک ہو جاتا ہے۔ اور بات فساد نماز تک پہنچتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ساری بدعات و محدثات سنت پر زیادتی ہیں۔ خواہ کسی صورت سے ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زیادتی نسخِ سنت ہے کا سبب ہے اور نسخ رفع سنت کا باعث۔ پس تم پر لازم ہے کہ متابعت سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اقتصار کرو۔ اور آپؐ کے اصحابؓ کی اقتدا پر اکتفا۔ اس لیے کہ وہ حضرات ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی

کی اقتدا کروگے ہدایت پر رہوگے۔

البتہ قیاس واجتہاد بدعات میں داخل نہیں، کیونکہ قیاس واجتہاد کا مقصد نصوص کے معنی کا اظہار کرنا ہے۔ کسی امر زائد کا اختراع نہیں۔ فاعتبرو یااولی الابصار.

سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔ اور متابعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام بھی۔

جمعیۃ علماء ہند کا دینی مقام

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جمعیۃ علماء حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مفتی اعظم اور سحبان الہند رحمۃ اللہ علیہما کی جماعت کا نام ہے۔

اور انھی بزرگوں کی شخصی عظمت وتقویٰ پر جماعت قائم ہے۔ باقی اس کا نصب العین اور طریقۂ عمل، نہ اسے چھیڑو، نہ اس پر گفتگو کرو۔

لیکن جمعیۃ علماء کا اس کے بزرگوں کے ذریعہ تعارف ایک کمزوری کا پتہ دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم چند بزرگ ہستیوں کے اعتقادی دباؤ سے جماعت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور یہ حقیقت اس وقت زیادہ کھل کر سامنے آتی ہے جب جمعیۃ علماء کے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ دوسرے نظریات کے مقابلہ میں کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کا نام لے کر اپنے مخالفین کا منہ بند کرنا چاہتے ہیں۔

اس لیے جمعیۃ علماء کے کارکنوں کا خاص طور سے یہ فرض ہے کہ وہ جمعیۃ علماء کے نصب العین اور طریقۂ عمل کے متعلق صحیح معلومات رکھا کریں۔ ان کا تعلق جماعت کے ساتھ شعوری ہو، محض اعتقادی نہ ہو۔

ہمیں واضح طور پر یہ جان لینا چاہیے کہ جمعیۃ علماء صرف اپنے اکابر کی شخصی عظمت پر قائم نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک نصب العین ہے، ایک مثبت پالیسی ہے، ایک طریقۂ عمل ہے۔ اور یہ تمام امور دین حق کی روشن ہدایت پر قائم ہیں۔ اس کا طریقۂ کار اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔

جمعیۃ علماء کے تعمیری کاموں میں دل نہ لگنے کی وجہ یہی ہے کہ ہم میں بہت سے لوگ

صرف لحاظ ومروّت کی وجہ سے جماعت کے نظام میں منسلک ہیں۔

انشراح قلب ہوتو ہم سمجھیں کہ جماعت کے طریقۂ عمل کے مطابق ہمارا جولمحہ دین وملّت کے لئے صرف ہوگا خدا کے ہاں اس کا صلہ رضاءالٰہی کی شکل میں ہمیں عطا کیا جائے گا۔

نصب العین-اغراض ومقاصد

نہایت سادہ لفظوں میں یوں سمجھئے کہ جمعیۃ علماء دین حق کا قیام چاہتی ہے۔اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احیاء اس کا مقصود ہے، وہ چاہتی ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں دین حق غالب ہو۔ جمعیۃ علماء کے دستوری اغراض ومقاصد کی رُوح یہی ہے۔

طریقۂ عمل-حکمت عملی

اس نصب العین کے حصول کے لئے جمعیۃ علماء نے جوطریقۂ عمل اختیار کیا ہے۔وہ حضرات انبیاء علیہم السّلام کے اسوۂ پاک سے ماخوذ ہے۔

جمعیۃ علماء نے اپنے قیام کے روزِ اوّل سے دین حق کو قائم کرنے کی جدّ وجہد کے لئے 'پُرامن' کوشش کو اپنایا ہے اور پُرامن ذرائع اختیار کئے ہیں۔

اور اس جمہوری دَور میں اقامتِ حق کے لئے جمعیۃ علماء نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ پہلے مسلمانوں کی زندگی میں اسلامی زندگی پیدا ہوتا کہ مسلمانوں کی زندگی میں اسلامی نظام کی برکتوں، دیانت، امانت، اخوّت، تنظیم، خدمت، ایثار اور قربانی کا مشاہدہ کر کے ملک کا ہر سمجھدار باشندہ دین حق کو واقعی عظیم برکت ورحمت سمجھنے لگے۔

اقامتِ حق کا یہی وہ فطری راستہ اور مسنون حکمتِ عملی ہے جو پوری دُنیا کے موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر اختیار کی جاسکتی ہے۔

ہر ذہین انسان اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ اس راستہ کے لئے جس طرح جبر واکراہ غلط ہے اسی طرح ''تحریکیت'' کا انداز بھی نقصان دہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اقامتِ حق کے لئے پہلے تعمیر سیرت وکردار کا مرحلہ طے کیا جائے۔تعمیر سیرت کے لئے کچھ مثبت کام ہونے چاہئیں اور کچھ دفاعی۔اس کام میں جو رکاوٹیں پیش

آئیں اُن کے خلاف جمہوری طریقہ پر جدّ وجہد کی جائے۔ جمہوری طریقہ پر آواز اٹھائی جائے۔ جمہوری اداروں سے تعاون کر کے اپنی آواز کو مؤثر بنانے کی سعی کی جائے۔

پھر وہ طاقتیں جو مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے بدامنی اور فسادات کھڑے کریں، پُرامن جمہوری ذرائع سے اُن کا مقابلہ کیا جائے۔

ساتھ ہی ان ہنگامی کاموں کے مسلمانوں میں تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ دینی فکر و اخلاق پیدا کرنے کی سعی جاری ہے۔

جمعیۃ علماء کا طریقۂ عمل اور اس کے سوا کیا ہے؟

ماضی پر ایک نظر

جمعیۃ علماء کے طریقۂ کار سے پوری طرح مطمئن ہونے اور انشراح قلب حاصل کرنے کے لئے بہت ضروری ہے کہ اس کے ماضی پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

مغلیہ حکومت کے بڑھتے ہوئے زوال کو دیکھ کر مجدد اسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کو ایک ہمہ گیر نظام کے طور پر مرتب کر کے پیش کیا۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سیّد احمد بریلویؒ نے اس نظام حق کو برپا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا اقدام فرمایا۔ کچھ دنوں ایک خطہ میں اسلام کا نظام قائم رہا۔ پھر اندرونی کمزوری کی وجہ سے درہم برہم ہو گیا۔ اور اس طرح وہ تحریک ختم ہو گئی۔

اس کے بعد ہندوستان مکمل طور پر انگریزی سامراج کے قبضہ میں آ گیا۔ چاروں طرف سے اسلام پر حملے شروع ہو گئے۔ علماء حق میدانِ اقدام سے ہٹ کر حفاظتِ دین کے لیے مدرسوں کے حصار میں آ بیٹھے۔ تعلیم کا کام شروع کر دیا گیا۔ حالات کچھ سازگار ہوئے ہی تھے کہ اقامتِ حق کی جدّ وجہد شروع کر دی گئی۔

تحریکِ جہاد کا ردِّ عمل سامنے تھا، اہلِ بصیرت نے متفق ہو کر پُرامن جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

جمعیۃ علماء کا قیام عمل میں آیا۔

اس پُرامن جدّ وجہد کے دو رُخ تھے۔

تعمیری لحاظ سے افکار اسلام کی حفاظت کے لیے تبلیغ و اشاعت اور مناظرے کئے گئے۔ مدارس کے قیام کا سلسلہ جاری رہا۔

راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ انگریزی حکومت کے انخلاء کی کوشش شروع کردی۔ اور علماء حق تحریکِ آزادی میں قائد کی حیثیت سے آگے آگے رہے۔

اس راہ میں دوسری قوموں کے ساتھ بے لوث اشتراک عمل کیا۔

سیاسی اشتراک کو ایک گروہ ''شرعی موالات'' سمجھ کر بیٹھا رہا۔ لیکن شیخ الہندؒ کا قافلہ برابر چلتا رہا۔

ایک رکاوٹ

آزادی کی جدّ وجہد جاری تھی کہ انگریز کے یارانِ وفادار سیاسی حکمرانوں کے القاء سے یہ نعرہ یکا یک فضاؤں میں گونجا کہ آزاد ہندوستان کا نظام کیا ہوگا؟

''جمہوری یا اسلامی؟''

''یہ نعرہ بڑی تیزی کے ساتھ ملک میں پھیل گیا۔ دراصل یہ نعرہ کچھ مذہبی لوگوں کی طرف سے تقسیم ہند کے نعرہ کی تقویت کے لیے میدان میں چھوڑا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑے حسین اور لچھے دار ادب کے سہارے یہ نعرہ ایک مستقل تحریک بن گیا۔ اور یہ کہا جانے لگا کہ ایک مشترکہ جمہوری حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا غیر اسلامی فعل ہے اور طاغوت کی خدمت ہے۔

جمعیۃ علماء جیسی مذہبی جماعت کے لیے یہ تحریک ایک پہاڑ جیسی رکاوٹ تھی۔ مگر شیخ الہند کے عظیم شاگرد پہاڑ سے زیادہ مستحکم، ایمان اور خلوص لے کر میدان میں کھڑے رہے۔

یہ کہا جارہا تھا کہ مشترکہ نظام حکومت کے نام سے ولی اللّٰہی تحریک کے علمبردار علماء ہندوستان میں مشترک کلچر اور مشترک تہذیب پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس شور وغوغے سے ڈر کر بڑے بڑے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ کہ ایک آواز سرزمین لاہور سے اُٹھی۔

یہ خطبہ تھا حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا، جس کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

"مگر وائے بدقسمتی کہ باوجود انتہائی جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے اصل مقصد حاصل نہ ہوسکا تب موجودہ احوال اور گردوپیش کی انتہائی مشکلات سے جو داخلی اور خارجی بے حدو بے شمار ہیں۔ ضروری ہوا کہ "اھون البلیتین" کو اختیار کیا جائے۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لیے مشترکہ جدوجہد میں حصہ لیا جائے۔

اور اگرچہ مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہونے والی آزادی نظامِ اسلامی نہ کہلا سکے گی۔ تاہم بہت سی مشکلات اور سخت موانع کے رفع ہوجانے سے حقیقی نصب العین کا راستہ کھل جائے گا۔

اھون البلیتین کا لفظ سن کر آسمان سر پر اُٹھالیا گیا۔ اور یہ کہا جانے لگا۔ کہ اصحابِ عزیمت کے جانشین رخصت کی طرف مائل ہوگئے۔

تقسیم ہند

ہندوستان تقسیم ہوگیا۔ پاکستان میں نظام اسلامی کے لیے جدوجہد شروع ہوگئی۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا، عوام کے دماغ اس جدوجہد سے متاثر ہوئے۔ اربابِ اقتدار نے "قرارداد مقاصد" کے نام پر ایک سیاسی رگڑا دیا۔

پس ایک موہوم سی اُمید پر "اھون البلیتین" کا مذاق اُڑانے والے "اھون البلیتین" کا نعرہ لگانے لگے اور انتخابی میدان میں کود پڑے۔

پھر کیا حالات ہوئے کس طرح مسلمان حکمرانوں نے مذہبی اختلافات کو ہوا دی۔ کس طرح فوجی انقلاب نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بات کیا ہوئی؟ یہ ہوئی کہ بے شمار داخلی اور خارجی مشکلات پر قابو پائے بغیر نظام اسلامی کی تحریک چلائی گئی اور تحریک بالاکوٹ کی ناکامی سے کوئی سبق نہ لیا گیا۔

ہندوستانی جمہوریت

جمعیۃ علماء جذباتی رو میں بہہ کر براہِ راست نظام اسلامی کے قیام کو مذاق بنانے کا جرم کیسے کرسکتی تھی۔ تجربہ کار کو کسی مزید تجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جمعیۃ علماء نے ہندوستان میں جمہوری نظام کے قیام کے لیے جمہوریت پسندوں کے ساتھ تعاون کیا۔ اور ملک میں ایک

بہترین نظام جمہوری قائم ہوگیا۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اس وقت کی معمولی سی چوک اور کم ہمتی کا یہ نتیجہ ہوسکتا تھا کہ یہاں ہندو اکثریت کی فرقہ وارانہ فسطائیت قائم ہوجاتی۔ آج ہر شخص کہہ رہا ہے کہ آمرانہ اور کلّیت پسندانہ نظاموں کے مقابلہ میں جمہوری نظام قابل ترجیح ہے۔ لوگ حیران تھے، گم سم تھے کہ کیا کریں۔ لیکن جمعیۃ علماء کے اکابر پوری جرأت کے ساتھ ایک طرف مسلمانوں کے قدم جمارہے تھے اور دوسری طرف جمہوریت پسندوں کے ہاتھ مضبوط کررہے تھے۔

جمعیۃ علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ جمہوری انتخابات میں اپنا کوئی نمائندہ کھڑا نہیں کرے گی۔ لیکن مسلمانوں کو اپنے طور پر یہ اختیار دیا کہ وہ جس جمہوری غیر فرقہ پرست جماعت میں شریک ہوکر جمہوریت کو آمریت کے حملوں سے بچانا چاہیں، تو ضرور بچائیں۔

اکابر جمعیۃ علماء اس فکری تضاد سے محفوظ رہے۔ کہ ایک طرف جمہوری نظام کو ترجیح دیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کو سیاسیات سے علیحدہ رہنے کا مشورہ عطا فرمائیں۔

جمہوری نظام کو قائم رکھنے کی ذمہ داری اقلیتوں پر زیادہ ہوتی ہے۔ اقلیتیں ہی اگر تماشائی بن کر رہ جائیں تو پھر جمہوریت کا خدا حافظ۔

ہندوستان کی جمہوریت کو صحیح جمہوریت بنانے کے جرم میں فرقہ پرست فسطائیوں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم توڑے اور آج بھی یہ صورتِ حال جاری ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے فرقہ پرست درندوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جمہوری حکومت نے جہاں کمزوری دکھائی وہاں اس کو للکارا۔ لیکن جمہوری حکومت کو ناکام بنانے کی کسی تدبیر کو صحیح نہ سمجھا۔

حالانکہ یہ آواز برابر اُٹھتی رہی کہ اگر مسلمان انتخابی کشمکش سے علیحدہ ہوجائیں تو ملک میں فسادات کا انسداد ہوجائے۔

یہ جمعیۃ علماء کی بارہ سالہ عظیم جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر جمہوری دستور کی رو سے ہر قسم کے آئینی اقدام کے لیے اپنے اندر حوصلے رکھتے ہیں اور اُن کے لیے میدان صاف ہے۔

صوفیاء کرام اور اقامتِ حق

جو جماعت بھی ہندوستان میں اقامتِ حق کا فرض ادا کرنے کھڑی ہوگی۔ وہ صوفیاء کرام کے طریق کار کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

اگر یہ امر طے شدہ ہے کہ جدّ و جہد پُر امن ہونی چاہیے تو پھر اُس کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ صوفیائے حق نے کیسے ناسازگار حالات میں کس انداز سے اس فرض کو ادا کیا۔

ان ناسازگار حالات میں اگر اسلام کے قیام کو تحریکیت کے انداز میں پیش کیا جاتا تو اُسے کون برداشت کرتا، نہ اپنے نہ پرائے۔

یہ صحیح ہے کہ حالات کی سازگاری کا انتظار مردانِ حق کا شیوہ نہیں۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ حالات کی ناسازگاری کو نظر انداز کرنا۔ انبیاء علیہم السلام کی سنّت کے خلاف ہے۔

حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔ یہ وہ دَور تھا۔ جب رائے پتھورا سلطان غوری کو شکست دے چکا تھا اور اس کے حوصلے بلند تھے۔

حضرت خواجہ نے راجہ کی شدید مزاحمت کے باوجود اسلام کی اشاعت کی۔ اور ان ہی حالات میں بیس برس کام کیا۔

۱۱۹۲ء میں رائے پتھورا نے غوری سے شکست کھائی۔ اس کے بعد آپ کو دل جمعی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ حضرت خواجہؒ سے پہلے ہندوستان آئے۔ اور اسلام کی اشاعت فرمائی۔ حضرت شیخ اسمٰعیل لاہوریؒ داتا صاحب سے بھی پہلے ہندوستان آئے اور اپنے پُر اثر وعظ سے ہزاروں انسانوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

حضرت مسعود غازیؒ کا دَور اُن سے بھی پہلے کا ہے اُن کے ہاتھ پر سارا میوات مسلمان ہوا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کابل سے ہندوستان آئے اور پنجاب میں آپ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اولیاء حق کا طریقہ نہ جبر و اکراہ کا تھا، نہ تحریکیت کا، بلکہ روحانیت و اخلاق کا تھا وہ زبان و قلم سے کام نہ لیتے تھے بلکہ نظر و توجہ سے کام لیتے تھے۔

یہ بات الگ ہے کہ ان اولیاء حق کی تبلیغی کوششوں کے ساتھ اگر تعلیم و تربیت کا باقاعدہ

نظام بھی قائم ہوتا تو اسلام قبول کرنے والوں کو فکری اور عملی زندگی کی تکمیل بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی۔ اکابر جمعیۃ علماء نے اقامتِ حق کی جدوجہد میں زبان وقلم کی کوششوں کے ساتھ نظر وتوجہ کی تاثیر کو بھی پوری اہمیت دی۔ اور ہندوستان کے عوام کو صوفیائے کرام کے کارناموں سے وابستہ رکھا۔ ان میں تصوف وسلوک کے خلاف نفرت پیدا نہیں ہونے دی۔

اس سلسلہ میں خاندان چشتیہ کے چشم وچراغ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی عظیم جدوجہد سے اقامتِ حق کی تاریخ میں جس روشن باب کا اضافہ کیا وہ سرزمینِ ہند کے لیے قابل فخر ہے:

ماہمہ عبد فرنگ ، اوعبدہٗ اونگنجد در جہانِ رنگ وبو

وحدتِ کلمہ

اقامتِ حق کے لیے جس طرح مسلمانوں کی زندگی میں اسلام کی برکتوں کا ظہور ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف مکاتیب خیال کا باہمی تشدد وتعصب بھی کم ہو۔ اور اصول دین کی حفاظت کے لیے تمام مسلمان ایک مرکز پر جمع رہیں۔

اس کے لیے نہ اجتہاد کا دروازہ کھولنے کی ضرورت سمجھی گئی، نہ اگلوں پر تنقید وجرح کی۔ بلکہ وحدتِ کلمہ کی اہمیت ظاہر کرکے ہر مکتب خیال کے علماء ومشائخ کو حفاظت حق کی جدوجہد کی طرف متوجہ کردیا گیا۔

دعویٰ کی بات نہیں، اظہارِ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں اگر کوئی مذہبی جماعت ایسی ہے جس کے پلیٹ فارم پر حنفی، اہلحدیث، مشائخ اور سجادگان کی بڑی تعداد جمع ہے تو وہ جمعیۃ علماء ہند کا پلیٹ فارم ہے۔

اقامتِ حق کی زندہ مثال

تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب، ہماچل پردیش اور راجستھان کے بعض علاقوں کی فضائیں جس قدر گرم تھیں اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

کس میں حوصلہ تھا کہ ان علاقوں میں قدم رکھتا اور بستی بستی گھوم کر ارتداد میں گھرے

ہوئے، سہمے ہوئے اور دم بخود مسلمانوں کو یقین دلاتا کہ۔ ہندوستان میں مسلمان زندہ ہیں، اسلام زندہ ہے، خوف دُور کرو، ہندوستان کا جمہوری دستور تم کو مسلمانوں کی طرح زندہ رہنے کا حق دیتا ہے۔

یہ کام وہی حوصلہ مند اور دلیر رہنما کر سکتے تھے جن کی فراست نے تقسیم سے پہلے ہی تقسیم کے نتائج کو اپنے ایمان کی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ جنھوں نے آزادی کے لیے جان کھپائی تھی، اور قیامِ جمہوریت کے لیے رات دن ایک کئے تھے۔

چنانچہ جمعیۃ علماء کے رہنماؤں نے ان علاقوں میں ڈیرے ڈال دیئے اور اپنے جمہوریت پسند غیر مسلم ساتھیوں کے تعاون سے مسلمانوں کو ارتداد سے نکالا، جو علاقے خالی ہو چکے تھے ان کو دوبارہ بسایا۔

آج مشرقی پنجاب اور ہماچل پردیش کے تقریباً ساڑھے تین لاکھ مسلمان اقامتِ حق کی زندہ مثال بنے بیٹھے ہیں۔ دینی بے سروسامانی کے ساتھ نہیں، بلکہ اسّی کے قریب دینی مکتب جمعیۃ علماء کی کفالت و اعانت سے ان کی نئی نسلوں میں دینِ حق کی بنیادیں استوار کر رہے ہیں۔

الور اور بھرت پور میں پانچ لاکھ مسلمان خدا کا نام لے رہے ہیں۔ اور جمعیۃ علماء مالی کم مائیگی کے باوجود اس علاقہ کے ایک سو دینی مکاتب کی اعانت کر رہی ہے۔ اور انھیں چلا رہی ہے۔

جمعیۃ علماء کا شاندار ماضی اور اس کا نصب العین آپ کے سامنے ہے۔ اور خدا کا دین اعانت کے لیے آپ کو پکار رہا ہے۔

ظفر نے زمانہ کی بے رُخی کا ان لفظوں میں شکوہ کیا تھا:

میں نے دل دیا، میں نے جان دی، مگر آہ! تو نے نہ قدر کی
کسی بات کو جو کبھی کہا، اسے چٹکیوں میں اُڑا دیا

مگر آپ خدا کے دین کو اس شکوہ کا موقع نہ دیجیے گا۔

اصلاح و دعوت کے لیے (عملی کردار کی اہمیت)

قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے، اسی لیے قرآن پاک عربی زبان میں نازل

ہوا، عرب کے محاوروں اور استعاروں میں قرآن نے اپنی باتیں سمجھائیں، عربی ادب کا بہتر سے بہتر اسلوب قرآن نے اختیار کیا۔ اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ عرب اُمّی تھے، تعلیم وتمدن سے ناآشنا محض تھے، ایسی اُمّی اور لکھنے پڑھنے سے عام طور پر محرومی رکھنے والی قوم قرآن کریم کی ''کتابی تعلیم'' سے زیادہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتی تھی۔

عرب ایک سادہ فطرت رکھتے تھے، جس پر صدیوں سے کسی آسمانی تعلیم کا اثر ہی نہ پڑا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پہلی بار وہ پیغامِ الٰہی سن رہے تھے۔

ایسی سادہ فطرت قوم اس بچّے کی مانند ہوتی ہے جو کتابی تعلیم کے مقابلہ میں عملی تعلیم و تربیت سے زیادہ اور جلدی فائدہ حاصل کر لیتی ہے۔

عملی تعلیم وتربیت ایک فطری طریقۂ تعلیم ہے جو اپنے ماحول کو متاثر کرتا ہے یا بناتا ہے یا بگاڑتا ہے۔ ایک بچہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتا ہے وہ بغیر کسی کوشش اور ترغیب کے کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ایک اُردو داں بچہ کو دیکھئے وہ ماں کی گود سے ہی ایسی فصیح اُردو سیکھ کر نکلتا ہے کہ ایک انگریز ماں کی گود میں پلنے والا بچہ سالہا سال محنت کرنے کے بعد بھی ویسی اُردو نہیں بول سکتا۔

ایک درزی کا بچہ ہوش سنبھالتے ہی سوئی تاگا سنبھال لیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کپڑوں کی سلائی شروع کر دیتا ہے۔

اسی طرح اَن پڑھ عربوں کے لیے خدا تعالیٰ نے کتابی تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عمل سے ایمان، اخلاق اور عبادات کی تعلیم پر مامور فرمایا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو ایک محبوب، ہمدرد اور باپ سے زیادہ شفیق ہستی ثابت کیا۔ اور بہت جلد آپ عربوں کی نظر میں ہر دل عزیز اور ان کے منظورِ نظر بن گئے۔

عربوں نے خدا کا دین سیکھنے کے لیے صرف قرآن کریم کے صفحات کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، حال ڈھال اور ان کے نقشۂ عمل کو دیکھا اور حضورؐ کی

زندگی کا ایک ایک نقش ان سادہ فطرت عربوں کے دلوں میں اُترتا چلا گیا۔

قرآن حکیم کی کسی بات میں اگر انھیں اُلجھن پیش آئی تو حضورؐ کے ایک ہی اشارہ میں وہ دُور ہوگئی اور رسولؐ کے نمونہ نے ان کے دلوں میں ایسا گھر کیا کہ سارے نمونے اور نقشے ان کے دلوں سے مٹ گئے۔

صحابہ کرام کی زندگی میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں کہ اگر انھیں قرآن کریم کی کسی بات کو سمجھنے میں شواری پیش آئی اور ایسا اکثر ہوا تو حضور کے قول و فعل کی روشنی نے قرآن کریم کی آیت کا مطلب واضح کر دیا۔ اور اس کے بعد پھر صحابہ کرام کو کوئی الجھن پیش نہ آئی۔

قدرت کا فیصلہ یہ تھا کہ صرف ۲۳ سال کے اندر اندر سارا عرب اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھل جائے۔ جہالت کی جگہ سے علم کی روشنی نکل آئے اور توحید و اخلاق کا علمبردار بن جائے۔

کسی قوم کو یکسر بدل دینے کے لیے یہ مدت بہت قلیل ہے۔ لیکن علم الٰہی میں ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ۶۳ سال زندہ رہنا تھا۔ جس میں سے پیغمبرانہ زندگی صرف ۲۳ سال تھی۔

اتنی معمولی مدت میں ایک قوم کے اندر اتنا بڑا انقلاب صرف کتابی تعلیم کے ذریعہ ممکن نہ تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تعلیم و تربیت کا ایک کامیاب اور مؤثر نظام بھی قائم ہو۔ چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور اسوۂ حسنہ نے یہ اہم کام انجام دیا۔

اور صرف ۲۳ سال کے اندر عرب کے بدوی، تہذیب و شائستگی اور حکمرانی اور جہانبانی کی معراج پر پہنچ گئے۔

○○

جمعیۃ علماء ھند کا تعمیری پروگرام

دفعہ-۲

سماجی خدمت

سماجی حلقے (سماجی جدوجہد)

(الف) مختلف مذہبی فرقے کے لوگوں کا مشترکہ اجتماع کرنا۔
(ب) نادار طلباء کو تعلیمی وظائف دینے کا انتظام کرنا۔
(ج) شہری ضروریات کے لیے قوم وملّت کی خدمت کرنا
(د) پسماندہ لوگوں کی خدمت کرنا۔
(ہ) یتیموں، بیواؤں، مجبور لوگوں اور غریب لڑکیوں کی شادی میں مدد کرنا۔
(و) فضول رسم ورواج اور اسراف بیجا کی اصلاح کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا۔

طریقۂ کار

(۱) مشترکہ اجتماعات وہی حضرات بلائیں جو مختلف فرقوں کے لوگوں میں رسوخ رکھتے ہوں اور اس اجتماع میں ایسے ہی مسائل لائے جائیں جو مختلف فرقوں کی دلچسپی کے ہوں اور ان کو باہمی قریب کرسکیں۔ مثلاً اخلاق، تعلیم، چھوت چھات، اُونچ نیچ، علاقائی ترقی سماجی سدھار وغیرہ۔

(۲) کسی آبادی کی عام ضرورتوں میں بلا اختلاف مذہب وملّت اور بلالحاظ ذات پات سب کی ضرورتوں میں کام آئیں۔ بالخصوص سیلاب، آتشزدگی، وبائی امراض، فرقہ وارانہ ہنگاموں وغیرہ میں سب کی خدمت کریں۔

(۳) تلک، شادی وبارات کی فضول خرچیاں، بیواؤں کی شادی، پیدائش یا موت کے غلط قسم

کے رواج وغیرہ کے لیے رائے عامہ اتنی بیدار کی جائے کہ اجتماعی شکلوں میں یا رضا کارانہ طور پر کسی رسم ورواج کو چھوڑ دینا آسان ہو جائے۔

(۴) ایسے سینٹر کھولے جہاں مختلف فرقوں کے بچے اور نوجوان مل جل کر کھیل کود یا ورزش وغیرہ کا انتظام کریں۔

اسلام میں سماجی خدمت کی اہمیت

خدمتِ خلق سے کارِنبوت کا آغاز

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے چالیس سال تک خدمت خلق کو اپنا مشن بنائے رکھا اور خدمت خلق کی نہایت بلند زندگی کے ذریعہ اپنے اس منصب رسالت کا تعارف کرایا جس پر آپ چالیس سال کے بعد فائز ہونے والے تھے۔

چالیس سال کے اندر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلاشِ حق کے لیے گوشہ نشینی (تحنث) میں بھی اپنا وقت گزارا کرتے تھے، لیکن حضورؐ کا عام وقت خدمتِ خلق کے کاموں میں ہی بسر ہوتا تھا۔

اس سلسلے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بیان سے زیادہ کس کا بیان معتبر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وحی الٰہی کے پہلے نزول کے وقت جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اضطراب کی ایک خاص کیفیت طاری ہوئی تو آپ اپنی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور غارِ حراء میں آپ کے پاس حضرت جبرئیل کے آنے اور سورۂ اقراء کے نازل ہونے کا جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ اپنی رفیقۂ حیات کو سنایا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کو تسلی دیتے ہوئے حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ اور بندگانِ الٰہی کی خدمت کے وہ کام آپ کو یاد دلائے جو چالیس سال سے آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ وابستہ تھے۔

حضرت خدیجہ کبریٰؓ کا مقصد یہ تھا کہ جس ذاتِ اقدس میں اتنی بھلائیاں موجود ہوں اس کی ذات کسی خطرہ سے دوچار نہیں ہوسکتی۔ غارِ حراء میں جو کچھ ہوا یقیناً اس میں خیر و بھلائی ہوگی۔ حضرت خدیجہؓ کے الفاظ جو امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے نقل کیے ہیں حسب ذیل ہیں:

"وَاللّٰہ مایخزیکَ اللّٰہ اَبَداً اِنَّکَ لَتَصل الرَحمَ وَ تحمِل الکلّ وتَکسِب المَعْدُوم وَ تَقِری الضیف وتُعِینُ علی نوائب الحقّ."

ترجمہ: خدا کی قسم! خداوند تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں اور آسمانی حوادث میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کبریٰؓ کے ان پانچ جملوں میں خدمتِ خلق اور اخلاقِ حسنہ کی تمام بنیادی صفتوں کا تذکرہ آ گیا ہے۔ حضرت خدیجہ قریش کی ایک دانشور اور زبان داں خاتون تھیں۔ آپ نے صرف پانچ جملوں میں کمالِ بلاغت کے ساتھ جو باتیں کہی ہیں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

اِنَّکَ لَتَصلُ الرَحم: آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ خدمت اور احسان کا برتاؤ کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کی برائیوں کو نظر انداز کر کے ان کے ساتھ تعلق قائم رکھتے ہیں۔ مال سے، ہاتھ پیروں سے جس کی جو مدد ہوسکتی ہے اسے انجام دیتے ہیں۔ عربی میں "صلۂ رحمی" کا جو وسیع مفہوم ہے اس کی تمام صورتیں اس ایک جملہ میں موجود ہیں۔

وَتَحمِلُ الکَلّ: بے سہارا لوگوں کا بوجھ اُٹھا لیتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی ضرورتوں کے خود کفیل بن جاتے ہیں۔ خاص طور پر عرب کے مظلوم ترین طبقہ "غلاموں" کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

وَتَکسِبُ المَعْدُوم: یہ جملہ بڑا وسیع اور گہرا ہے۔ یہ "ت" کے زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ اس جملہ کے یہ معنی ہوتے ہیں:

(۱) آپ وہ نیکیاں اور بھلائیاں کماتے ہیں جو اس وقت دُنیا اور خاص کر عرب میں بالکل

ناپید ہو چکی ہیں۔ آپ نے اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کر لیے ہیں جو اس ماحول میں کہیں نظر نہیں آتے۔

(۲) آپ دولت کماتے ہیں، آپ وہ پیسہ حاصل کرتے ہیں اپنی محنت اور جدوجہد سے، جو پہلے سے آپ کے پاس نہیں ہوتا۔ اور پھر وہ پیسہ کما کر ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں۔ عرب کا محاورہ ہے: "اکسبھم المعدوم و انفقھم المحروم" مال پیدا کرتے ہیں اور غریبوں پر روپیہ صرف کر دیتے ہیں، ان کی بھوک کا انتظام کرتے ہیں۔ انھیں برسرروزگار کرتے ہیں، کھانے کمانے کے قابل بناتے ہیں۔

مطلب یہ کہ آپ اپنے باپ دادا کا رکھا ڈھکا لوگوں پر خرچ نہیں کرتے اور نہ دوسروں سے حاصل کر کے غریبوں کو دیتے ہیں، بلکہ اپنے ہاتھ پیروں کی محنت سے کماتے ہیں اور پھر خرچ کرتے ہیں۔

(۳) آپ لوگوں کو وہ اخلاق اور رُوحانی معلومات اور فوائد عطا کرتے ہیں جو لوگوں کو کسی دوسرے کے پاس سے حاصل نہیں ہوتے۔

اس جملہ میں بوجھ اُٹھانے کی ظاہری شکل بھی شامل کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ ایک ضعیف العمر بڑھیا کے بوجھ اُٹھانے کا واقعہ مشہور ہے۔

وتقری الضیف: مہمانوں کی خاطر تواضع اور مدارات عربوں کے عام اخلاق میں شامل ہے۔ عرب مہمان نوازی میں مشہور ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں مہمان نوازی کی صفت پورے کمال کے ساتھ موجود تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے اسی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ آپ تو مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں۔ انھیں کھلاتے پلاتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔

وتعین علی نوائب الحق: آپ آسمانی حادثوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ ناگہانی حادثوں میں شکار ہونے والوں کی ہر ممکن اعانت کرتے ہیں۔ حوادث کے ساتھ حق کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ فرمایا کہ جو حادثے اور پریشانیاں انسان کی خود کردہ غلط کاریوں کے نتیجہ میں اُنھیں گھیر لیتی ہیں، ان میں آپ غلط کاروں کی مدد کر کے ان کی حوصلہ افزائی سے گریز

کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مجرموں کی مدد کرنا آپ کا شیوہ نہیں۔

چور، ڈاکو اور بدمعاش اپنے کرتوتوں کی وجہ سے سوسائٹی یا حکومت کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ ان حوادث میں ان کی مدد کرنے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بدمعاش لوگوں کی مدد کر کے پوری سوسائٹی کو ہمیشہ کے لیے پریشانیوں میں مبتلا رکھا جائے۔

ایسی پریشانیوں میں پورے سماج کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے افراد کو نہیں دیکھا جاتا۔ دو چار افراد کو جبر و تشدد کے ذریعہ دبا کر اگر پورے سماج کو ان کے ہاتھوں سے پہنچنے والی مصیبتوں سے محفوظ کر دیا جائے تو وہ تشدد نیکی اور اخلاق کا حقیقی تقاضا ہوتا ہے۔ اور ایسے موقعوں پر نرمی اختیار کرنا بزدلی کہلاتا ہے۔ اسے شرافت نہیں کہا جاتا۔

عبادت اور خدمت کے مجموعہ کا نام ''سنتِ رسولؐ'' ہے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرنے کا مکمل نمونہ موجود ہے اور اسی مکمل اسوۂ حسنہ کا نام ''سنتِ رسول'' ہے۔ ایک دفعہ کچھ زاہد قسم کے صحابۂ کرامؓ نے آخرت کے خوف سے دُنیا کی لذتوں اور نفسانی خواہشوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا عہد کر لیا۔ ان لوگوں کی بیویوں کی زبانی جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپ نے تارک الدنیا لوگوں کو بلایا اور ان سے فرمایا:

خدا کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اپنے اندر خدا کا خوف رکھتا ہوں اور اس کے باوجود روزہ بھی رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام سے سوتا بھی ہوں اور شادی کرتا ہوں۔ یہ ہے میری سنت، پس جو شخص میری اس سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: **اما و اللّٰہ انّی لاخشاکم فی اللّٰہ و اتقاکم لہ لکنی اصوم و افطر و اصلی و ارقد و اَتزوّج النساء فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی۔** (ترمذی شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد عالی میں اُمت کو بتایا کہ میری سنت خالق اور

مخلوق دونوں کے حقوق ادا کیے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ جو شخص خالق کا حق چھوڑ کر صرف کھانے کمانے میں لگ جائے تو وہ بھی میری سنت کا تارک یعنی مجرم ہے۔ اور جو شخص کھانے کمانے اور سماج کے حقوق ادا کرنے سے کنارہ کش ہو کر صرف مسجد اور خانقاہ کا ہو جائے وہ بھی میری سنت کا تارک یعنی مجرم گناہ گار ہے۔

سماجی خدمت اور صحابۂ کرامؓ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور اسلام کو سب سے زیادہ حضراتِ صحابہ کرامؓ نے سمجھا، اسی وجہ سے حضرات صحابہؓ کی زندگی اسلامی احکام کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو بے وقت مسجد میں دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا ''ھم المتوکلون'' یہ لوگ متوکل ہیں۔ خدا کے بھروسہ پر خدا کے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اُنھیں یہیں سب کچھ بھیج دے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ یہ لوگ ''متاکل'' یعنی کھاؤ ہیں، صرف کھانا جانتے ہیں، محنت سے جی چراتے ہیں اور اس کا نام انھوں نے توکل رکھ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا ان سے کہو کہ یہ مسجد سے نکل جائیں اور محنت مزدوری کر کے اپنے لیے روزی کمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ مسجد نبوی میں اعتکاف کر رہے تھے کہ ایک شخص پریشان حال اور مغموم حضرت کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس کی پریشانیوں کا سبب معلوم کیا۔ اس نے کہا:

لِفُلانٍ عَلَیَّ حقٌّ و لاحُرُمَةَ صَاحِب ھٰذا القَبْرِ ما اَقْدِرُ عَلَیْه.

ترجمہ: اے ابن عباس! مجھ پر فلاں آدمی کا قرض ہے اور اس روضۂ پاک میں آرام کرنے والے کی عظمت کی قسم، میں وہ قرضہ ادا کرنے کے قابل نہیں۔

ابن عباس نے کہا، تو کیا میں اس قرض خواہ سے بات کروں۔ اس نے عرض کیا، ضرور کیجیے! آپ نے جوتیاں پہنیں اور مسجد سے باہر نکل گئے۔ وہ شخص بولا، آپ تو اعتکاف میں ہیں کیا آپ بھول گئے؟ آپ نے کہا نہیں! بھولا نہیں!

''ولٰکِنّی سَمِعْتُ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ وَالْعَھْدُ بِهٖ قَرِیْبٌ فَدَمَعَتْ

عَیْنَاہُ من مشیٰ فی حاجۃ اخیہ وبلغ فیھا کان خیرا من اعتکاف عشر سنین.“

ترجمہ: لیکن میں نے اس روضۂ پاک والے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے اور یہ کل کی بات ہے اور یہ کہہ کر ابن عباس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کے لیے قدم اُٹھائے اور اس میں کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش دس سال کے اعتکاف سے بہتر اور افضل ہوگی۔

(فضائل رمضان شیخ الحدیث، ص ۵۴ بحوالہ بیہقی)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادات کے مقابلہ میں ضرورت مندوں کی مدد کرنا خدا کے نزدیک زیادہ اجر وثواب کا کام ہے۔ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا یہی طرزِ عمل تھا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت امام حسنؓ کا بھی منقول ہے۔

خدمتِ خلق اور صوفیائے کرام

تصوف کا دوسرا نام ”خدمتِ خلق“ ہے

لوگ سمجھتے ہیں کہ دُنیا اور دُنیا والوں کو چھوڑ کر خانقاہوں اور جنگلوں میں ریاضت اور عبادت کرنے کا نام تصوف ہے۔

لوگ ”ولی“ اس شخص کو سمجھتے ہیں جو دُنیا والوں سے کنارہ کش رہتا ہے اور صرف ذاتی نجات کے لیے عبادت میں مشغول رہتا ہے۔ اور کتنی عجیب بات ہے کہ آج ان قومی خدمت گزاروں کو ”دُنیا دار“ کہا جاتا ہے۔ جو عوام کی دُنیوی ضرورتوں کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ اور مظلوموں اور ستم رسیدہ انسانوں کے لیے بھاگ دوڑ کرنے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ اور جو عافیت پسند لوگ عوام کی مشکلات سے آنکھیں بند کر کے صرف دعاء اور نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ ”شیخ طریقت“ کہلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ تصوف کا مشہور مقولہ ہے کہ ”طریقت بجز خدمتِ خلق نیست“ (یعنی طریقت ”خدمتِ خلق“ کے سوا

کچھ نہیں ہے) یہ مقولہ اکابر اولیاء اللہ کی زندگی کے روشن کارناموں سے اخذ کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ چشتیہ سلسلہ کے آفتاب عالمتاب ہیں اور ہندستان میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا سہرا جن بزرگوں کے سر ہے، ان میں حضرت خواجہ کا مقام سب سے بلند ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک کسان دہلی سے حضرت کی خدمت میں اجمیر پہنچا۔ اس کی زمین پر سلطان التمش کے کارندے قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس نے اجمیر پہنچ کر حضرت خواجہ کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ سلطان دہلی کے آدمی میری زمین سے مجھے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ سلطان کے پاس میری سفارش کردیں تو میری زمین مجھ سے نہ چھینی جائے۔

حضرت خواجہ اس مظلوم کی فریاد سن کر اجمیر سے دہلی روانہ ہوگئے۔ حضرت خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو خبر ملی کہ خواجہ بزرگ دہلی تشریف لا رہے ہیں۔ قطب صاحب نے اپنے پیرومرشد کا استقبال کیا اور گزارش کی کہ بغیر اطلاع کیوں سفر کی زحمت فرمائی۔ اگر کوئی ضرورت تھی تو اس خادم کو حکم دیا ہوتا۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا۔ یہ مصیبت زدہ کسان میرے پاس سلطان کے آدمیوں کے ظلم وجبر کی فریاد لے کر پہنچا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس مظلوم کی فریادرسی کے لیے مجھے خود دہلی پہنچ کر سلطان سے اس کی سفارش کرنی چاہیے۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ جب تک انسان خدا کے کسی بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کی نصرت اس وقت تک اس کے شامل حال رہتی ہے تو کیا میں خود خدا کی مدد کا محتاج نہیں ہوں؟

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو لوگ مخلوق کی خدمت کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر دل برداشتہ ہونے کے بجائے ان پر صبر کرتے ہیں ان کا درجہ ''صدیقون'' جیسا ہے۔ (مشائخ چشت، ص ۵۱)

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے دہلی کے پرآشوب دور میں ایک دن فرمایا ''اب مجھے خلوت کی فرصت نہیں، دن بھر مخلوق خدا کے ساتھ رہتا ہوں، بلکہ قیلولہ بھی میسر نہیں، بارہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں مگر لوگ جگا دیتے ہیں کہ فلاں آدمی آیا ہے، اُٹھئے۔'' (مشائخ چشت، ص ۱۷۲)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ اپنے مریدین کو نصیحت فرمایا کرتے تھے: ''لوگوں کو

دینی اور دُنیاوی دونوں قسم کے فیض پہنچاؤ، اور اپنے عیش و آرام اور راحت کو خدا کی مخلوق پر قربان کردو۔'' (ایضاً، ص ۳۹۰)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے خلیفۂ اوّل اور صاحبزادے حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی خانقاہ پر چار منشی اور کلرک چوبیس گھنٹے مقرر رہتے تھے اور اُنھیں ہدایت تھی کہ جب کوئی ضرورت مند آئے تو اس کی ضرورت لکھ کر مجھے اطلاع دی جائے۔ اور اس کا کام فوراً انجام دیا جائے۔ کوئی ضرورت مند کسی وقت محروم واپس نہ جائے۔

یہی وہ اولیاء اللہ اور مشائخ طریقت تھے جن کے دَم سے ہندوستان میں ''اسلام'' پھیلا اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُجالے نے کفر و بت پرستی کا اندھیرا دُور کیا۔

اولیاء اسلام کے نزدیک لفظی عبادات کے مقابلہ میں ضرورت مندوں کی مدد کرنا کس قدر اہم اور ضروری تھا، حسب ذیل دو واقعات سے اس کا اندازہ لگائیے۔ ایک واقعہ حضرت مولانا شاہ فخر الدین دہلویؒ کا ہے جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب راستہ میں چبوترہ پر آرام فرما ہیں اور حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے خلیفہ اور حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے صاحبزادے اور جانشین ہیں اور دوسرا واقعہ حضرت شیخ ابن عربیؒ کا ہے جنھیں امام الاولیاء کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا وہ طبقہ ان واقعات پر خاص توجہ کرے جو محبت اولیاء اللہ کے لیے صرف چند مراسم پر اکتفا کرتا ہے اور ان کی زندگی کے مشن ''خدمت خلق'' کو اپنی زندگی کا اصول نہیں بناتا۔

اسی کے ساتھ وہ لوگ جو سرزمین ہند پر اسلامی عظمت کا پرچم بلند کرنے والے ان اولیاء کرام کی دعوتی اور تبلیغی حکمت عملی کو سمجھے بغیر ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ وہ بھی غور کریں کہ ان حضرات نے اسلام کو عوام کے دِلوں میں اُتارنے کے لیے کس قدر ایثار اور قربانی سے کام لیا ہے۔

مولانا شاہ فخر الدینؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شاہ صاحب حج کرنے کے ارادے سے نکلے۔ جب جہاز پر سوار ہونے لگے تو ایک بڑھیا نے آکر سوال کیا۔

حضرت! مجھے اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے اور میرا حال یہ ہے کہ مجھ پر فاقے گزرتے ہیں۔ پھر میں یہ فرض کس طرح انجام دوں۔ شاہ صاحب نے یہ سنتے ہی اپنا سامان جہاز سے

اُتاولیا اور آپ کے پاس جو کچھ زادِراہ تھا وہ سب اس بڑھیا کے حوالہ کیا۔ اور خود وطن واپس آ گئے۔ (مشائخ چشت، ص ۴۸۳)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے برگزیدہ بندے نفلی عبادات، نفلی نماز اور نفلی حج کے مقابلہ میں مخلوقِ خدا کی خدمت کو مقدم اور ضروری سمجھتے تھے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا ہے کہ شیخ حج کے ارادے سے نکلے۔ آپ بغداد کی ایک دوکان پر زادِراہ خرید فرما رہے تھے کہ ایک بڑھیا کو کوڑی کے اُوپر سے مردہ مرغی اُٹھا کر اور چادر میں چھپا کر لے جاتے ہوئے دیکھا۔ شیخ بے قرار ہو گئے۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر گئے، دستک دی۔ بڑی بی سے اس کی وجہ پوچھی، وہ بولیں۔ اے مسافر جا، تو میرا راز فاش کیوں کراتا ہے۔ میرے بچے تین وقت کے فاقہ سے نڈھال ہو چکے ہیں، اب ان کی زندگی بچانے کے لیے یہ مُردہ مرغی اُٹھا کر لائی ہوں۔

شیخ نے اپنی بغل میں سے حج کا تمام سرمایہ نکال کر بڑھیا کے سپرد کر دیا اور اپنے ساتھیوں کے قافلہ سے علیحدہ ہو کر گھر چلے آئے۔

شیخ کے قافلہ والے جب حج کر کے لوٹے تو شیخ سے ملنے آئے اور اُنھیں اپنے قبولیتِ حج کی مبارکباد پیش کی۔ خدا آپ کا حج قبول کرے۔ آپ کا حج مبارک ہو، شیخ حیران ہوئے کہ یہ لوگ مجھے مبارکباد کیوں دے رہے ہیں۔ میں تو بغیر حج کے واپس آ گیا تھا۔

اسی حیرانی کے عالم میں شیخ سو گئے۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے ابن عربی تم تعجب کیوں کرتے ہو، ہم نے تمھاری شکل وصورت کے دس ہزار فرشتے حرم میں بھیج دیئے تھے تا کہ وہ تمھاری طرف سے حج کریں۔ کیونکہ تم نے ایک غریب شریف زادی کو فاقہ کی مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

اہلِ بیت رسولؐ اور خدمتِ خلق

خاندانِ رسالت کی نظر میں مخلوق کا کیا درجہ ہے؟ حسب ذیل واقعات سے اس کا اندازہ لگائیے:

ایک دفعہ ایک ضرورت مند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ اعتکاف میں

تھے۔ضرورت مند کی فریاد سن کر امام حسینؓ نے اعتکاف میں ہونے کی وجہ سے معذرت کر دی۔ وہ ضرورت مند حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے کام کے لیے چلنے کی درخواست کی۔حضرت امام حسنؓ اس کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اعتکاف سے باہر آ گئے۔

ضرورت مند نے عرض کیا، حضرت! آپ کے چھوٹے بھائی نے تو عذر کر دیا تھا، مگر آپ میرے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

حضرت امام محترمؓ نے فرمایا:

''میرے نزدیک کسی مظلوم اور ضرورت مند کی امداد کے لیے کوشش کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔اس لیے میں تمھارے ساتھ چل رہا ہوں۔'' (ابن عساکر، ج ۴، ص ۲۱۴)

اسی طرح ایک روز حضرت امام حسنؓ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے۔اسی حالت میں آپ کو کسی فریادی نے پکارا۔آپ طواف پورا کیے بغیر اس کے ساتھ چلے گئے۔

ایک صاحب نے پوچھا، حضرت! آپ طواف پورا کیے بغیر اس کے ساتھ کیوں جا رہے ہیں؟

حضرت امامؓ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میرے نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص کسی مسلمان کی امداد کے لیے گھر سے نکلتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو مدد کرنے والے کو ایک حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔اور اگر اس کوشش کے باوجود ضرورت مند کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو مدد کرنے والے کو صرف عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔''

''پھر میں طواف چھوڑ کر کیوں نہیں جاتا۔میں نے تو پورے حج اور عمرہ کا ثواب حاصل کر لیا۔'' (ایضاً)

جمعیۃ علماء ہند کے رہنمایانِ حق کا کردار

جمعیۃ علماء ہند کے جن رہنماؤں کو ہماری آنکھوں نے دیکھا ہے، ان میں حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب بہاریؒ، حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

سیوہارویؒ، حضرت مولانا نورالدین صاحب بہاریؒ کے دینی اور رُوحانی فضل وکمال سے کون واقف نہیں۔ یہ حضرات اپنے وقت کے محدث بھی تھے اور مفتی بھی، مصنّف بھی تھے اور واعظ بھی۔ اور ان تمام رُوحانی اور علمی فضائل کے باوجود عوام کے خدمت گزار بھی تھے۔ ان حضرات نے درس وتدریس، نماز وتہجد اور ذکر واشغال میں سے خدمتِ خلق کے لیے بھرپور وقت نکالا۔

ضرورت مندوں، محتاجوں، مظلوموں کی ہر ممکن امداد کے لیے ان حضرات نے وہ روشن کارنامے چھوڑے جنھیں پڑھ کر اکابر اسلام کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

نادار حریفوں نے ان حضرات کو ہمیشہ یہ طعنہ دیا کہ علماء کا سیاست سے کیا جوڑ؟ مگر ان حضرات کی سیاست خدمت تھی اور خدمت کے کاموں سے کنارہ کش ہونا اُن حضرات کے نزدیک اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کرنے کے ہم معنی تھا۔

اپنے انہی بزرگوں کے طریقہ پر آج بھی جمعیۃ علماء ہند سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور دینی کارکنوں کو چلتا ہے۔ اور ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جمعیۃ علماء ہند کے موجودہ صدر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ العالی اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل کر ''درکفے جامے شریعت، درکفے سندانِ عشق'' کی روشن مثال ہیں۔

سماج سدھار کے کاموں میں حصہ لینے کا حکم

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

من رئ منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان.

ترجمہ: جو شخص کسی برائی کو دیکھے پس اسے چاہیے کہ اس برائی کو ہاتھ سے مٹادے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اسے برا کہے، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اُسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

شریعت کے اس حکم سے معلوم ہوا کہ سماج کے اندر جب برائی سر اُٹھائے، چوری، بے حیائی، جہالت، لڑائی جھگڑا اور ظلم وزیادتی کا زور ہو جاتے، تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان

برائیوں کے خلاف جدوجہد کرے اور ان کو مٹانے کی کوشش کرے۔ اور اسی طرح جب سماج میں کوئی اچھا کام ہو، مخلوقِ خدا کو آرام پہنچانے کے کام کیے جائیں، علم پھیلانے، سرائے، کنواں بنوانے اور عوام میں میل ملاپ کرانے کی کوشش ہو تو مسلمانوں کو ان کاموں میں ہر انسان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور ہاتھ بٹانا چاہیے۔

مذہب خدمت کیلئے نہ کہ مفاد پرستی کیلئے

اسلام خالص خداپرستی کا مذہب ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کی پاکیزگی کو قائم رکھنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ دُنیا کا عیش و آرام حاصل کرنے کے لیے مذہب کو استعمال نہ کرو۔ اس سے مذہب کا وقار کم ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا: جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی دُوری سے محسوس ہوتی ہے۔

"ولا یجدھا من طلب الدُنیا بعمل الآخرۃ."

ترجمہ: مگر اس خوشبو سے وہ شخص محروم رہتا ہے جو آخرت کے عمل سے دُنیا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یعنی جو انسان سیاسی اور مالی طاقت حاصل کرنے کے لیے مذہب کا نام استعمال کرتا ہے وہ جنت کے قابل نہیں رہتا۔

خدمت کی تحریکات میں تعاون کرو

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے:

تَعَاوَنُوْ عَلیٰ الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلیٰ الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان

ترجمہ: ہر بھلے اور نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور برے کاموں میں ہرگز ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

پبلک لائف میں صبر و برداشت کی فضیلت

مخلوق کی خدمت کا حق وہی انسان ادا کرتا ہے جو مخلوق سے تعلق اور رابطہ رکھتا ہے اور

مخلوق کے ساتھ تعلق وہی شخص قائم رکھ سکتا ہے جو ان کے ہاتھوں سے پہنچنے والی تکلیفوں کو سہارتا ہے اور صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ بے صبر انسان، بھائی، بہنوں، پڑوسی اور برادری کے ہاتھوں پہنچنے والی تکلیفوں، اذیتوں اور دل خراش باتوں سے گھبرا کر اور مایوس ہو کر سوسائٹی اور خاندان کو چھوڑ دیتا ہے۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی برادری کے ہاتھوں پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرنے والے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

"ان المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم افضل من الذی لایخالط للناس ولایصبر اذاھم." (ترمذی، کتاب الزہد، ص ۴۱۲)

ترجمہ: جو مسلمان عوام کی تکلیفوں اور دل خراش باتوں سے گھبرا کر کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے، اس تارکِ دنیا آدمی سے وہ مسلمان بڑا درجہ رکھتا ہے جو عوامی تکلیفوں پر صبر کر کے عوام کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کے برے لوگوں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک وہ آپ کو قتل کرنے کے درپے نہیں ہوئے۔

حق تلفی ناقابلِ معافی گناہ

انسان پر اس کے خالق کا حق بھی ہے اور خالق کے بندوں کا حق بھی ہے لیکن ان دونوں قسم کے حقوق (حقوق اللہ اور حقوق العباد) کے درمیان بڑا فرق ہے۔

خالق کا حق ایسا ہے کہ اگر بندہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے وہ حق ادا نہ کرے تو خدا تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے آخرت میں اس کی سزا دے، چاہے معاف کر دے، لیکن انسان پر دوسرے انسانوں کے جو حقوق واجب ہیں، اگر کوئی شخص ان حقوق کو ادا نہیں کرے گا تو خدا تعالیٰ اس حق تلفی کو خود معاف نہیں کرے گا۔ جب تک کہ حق دار اسے معاف نہ کرے۔

صحیح حدیث میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میدانِ جہاد کی تلوار شہید کے تمام گناہوں کو معاف کرا دیتی ہے لیکن اگر اس پر کسی کا قرض واجب ہے تو وہ معاف نہیں

کیا جاتا۔'' کیونکہ وہ دوسرے کی حق تلفی کا گناہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''خدا تعالیٰ حق دار کو اجازت دے گا کہ حق تلفی کرنے والے کی نیکیاں اپنے حق کے بدلے میں وصول کر لے، یہاں تک کہ جب حق تلفی کرنے والے کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی باقی نہ رہے گی، تو خدا تعالیٰ اپنی طرف سے اس کے حق کا بدلہ عطا فرمائے گا۔''

حق تلفی کی سزا کو دُور کرنے کے بارے میں

حضورؐ کی دُعاء کو واپس کر دیا گیا

حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ انعام آیت ''قل ھُوَ القادر علی الخ'' کے تحت جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُمت کو عذاب کی مختلف شکلوں سے بچانے کے بارے میں حضورؐ کی تمام دُعائیں قبول فرمائیں، مگر یہ دعاء قبول نہ فرمائی:

''وَانْ لا یلبسَنا شِیَعاً فَمَنَعنِیھَا.''

ترجمہ: میری امت کے درمیان گروہ بندی کا ٹکراؤ نہ ہو۔

خدا تعالیٰ نے اس دعاء کو واپس کر دیا

یہ دُعا قبول کیوں نہ ہوئی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ قوموں کے اندر گروہ بندی کا تصادم اس وقت رُونما ہوتا ہے جب قوم کے مختلف طبقے ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ قوم کا مال دار طبقہ غریبوں اور مزدوروں کے حقوقِ محنت غصب کرتا ہے۔ طاقتور کمزور پر زیادتی کرتے ہیں۔ خاندانی غرور والے چھوٹے آدمیوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس وقت قوم میں طبقہ وارانہ لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ لڑائی حقوق تلفی کا نتیجہ اور حقوق تلفی کا ردِّ عمل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نماز، روزہ وغیرہ چھوڑنے کے ردِّ عمل کو توبہ اور استغفار کے ذریعہ روک دیتا ہے، یعنی اس حق تلفی کو معاف فرما دیتا ہے لیکن بندوں کے حقوق کو پامال کرنے کے ردِّ عمل کو معاف نہیں کرتا۔ جب اس کا اعلان خدا کی طرف سے کیا جا چکا ہے، تو خدا تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کو اس معاملہ میں کیسے قبول کرتا ہے؟

خدا تعالیٰ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کو واپس کر دیا، تب حضورؐ سمجھے کہ اس کا سبب کیا ہے اور پھر حضورؐ مطمئن ہو گئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ پہلی اُمتوں کی طرح مکمل بربادی سے تو محفوظ رہی، لیکن جب اس ملّت میں باہمی ظلم و زیادتی کے گناہ شروع ہوئے تو گروہ بندی کا ٹکراؤ اس اُمت میں پھیل گیا۔ (ابن کثیر مصری، ج ۲، سورۂ انعام، ص ۱۴۱)

حقوقِ انسانی ادا نہ کرنے والا عبادت گزار جہنم میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فضائل صدقات میں ایک شامی تاجر کا واقعہ نقل کیا ہے جو شام سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلا آیا تھا۔ مکہ معظمہ میں تمام زندگی عبادتِ الٰہی میں گزار کر جب اس کا انتقال ہو گیا تو وہاں کے بزرگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شامی تاجر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہے۔ بزرگوں نے اس کی رُوح سے معلوم کیا کہ تم تو بڑے عبادت گزار تھے پھر تم عذاب میں کیوں گرفتار ہو؟

اس کی رُوح نے جواب دیا کہ شام میں میری ایک خالہ ہیں، جن کا میرے سوا کوئی کفیل اور مددگار نہیں۔ میں اُنھیں چھوڑ کر مکہ معظمہ چلا آیا۔ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا، تو نے اپنی خالہ کے ساتھ صلۂ رحمی نہ کی، بلکہ حق تلفی کی، تجھے اس حق تلفی کی سزا دی جائے گی۔ بس میں اب تک عذاب میں مبتلا ہوں۔ اگر تمھیں میرے ساتھ ہمدردی ہے تو تم ملک شام جاؤ اور میری خالہ سے میرا قصور معاف کراؤ۔ یہ بزرگ ملک شام گئے، اس کے بتائے ہوئے پتہ کے مطابق اس کی بوڑھی خالہ سے ملے اور اس شامی تاجر کا قصور معاف کرایا۔

واپس آ کر جب اس کی رُوح سے معلوم کیا تو یہ پتہ چلا کہ وہ عذاب سے نجات پا کر جنت میں پہنچا دیا گیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ماں، باپ، خالہ، پھوپھی، ماموں، ممانی، بہن، بھائی، ساس، سسرے، سالے اور سالیوں کے جو حقوق خدا تعالیٰ نے انسان پر مقرر کیے ہیں، انھیں ادا نہ کرنے سے عذابِ الٰہی مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اور مکہ معظمہ جیسی مقدس جگہ میں نماز اور عبادت کے باوجود بھی رشتہ داروں کی حق تلفی کرنے والا جنت کا حقدار نہیں ہوتا

قیامِ امن کے کاموں کی فضیلت

خاندان، علاقہ یا شہر میں اگر کسی قسم کا جھگڑا کھڑا ہو جائے تو اس جھگڑے کو ختم کرانا، اور آپس میں صلح صفائی کرانا اسلام میں نماز، روزہ سے بڑے درجہ کی نیکی ہے، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معمولی جھگڑا بڑے فساد کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بستی اور شہر کے امن و امان کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الا انبئکم بدرجة افضل من الصلوٰة و الصیام و الصدقة قالوا بلی، قال اصلاحُ ذاتَ بینٍ و فساد ذات البین هی طالقة."

ترجمہ: کیا میں تمھیں وہ نیکی نہ بتاؤں جو نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ضرور بتایئے، آپ نے فرمایا، آپس میں صلح کرانا۔ اور آپس میں جھگڑا کرنا ایمان کو مٹانے والی برائی ہے۔

جو لوگ اپنی ذاتی نجات کی فکر میں رہ کر صرف روزہ، نماز اور نفلی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے ہیں کہ وہ خاندان اور سماج کے اندر پھیلنے والے جھگڑوں کو دُور کرنے کے بجائے ان سے دُور اور علیحدہ رہنے کو نیکی سمجھتے ہیں، وہ کتنی بڑی سعادت سے محروم رہتے ہیں؟ اس حدیث سے اس کا جواب مل رہا ہے۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے یا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں اور مسلمانوں کے آپسی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں وہ ایمان اور اسلام کے دشمن ہیں۔

اور اچھے لوگوں کا اسلام اور ایمان کے دشمنوں اور تفرقہ پھیلانے والوں سے ڈر کر گھروں میں بیٹھ جانا، ایمان اور اسلام کی خدمت سے بھاگنے کے برابر ہے۔ تم اگر اپنا اسلامی فرض ادا کرنا چاہتے ہو تو مسلمانوں کے اندر سے اختلاف دُور کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ اور تفرقہ انگیز لوگوں سے ڈرنے کے بجائے ان کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔

مظلوموں کی امداد کرنے کی فضیلت

مظلوموں کی امداد کرنا دُنیا کی ہر قوم اچھا سمجھتی ہے، مگر اسلام نے اس کو عبادت بنا دیا ہے۔ ایسی عظیم عبادت جس سے آدمی کی نجات ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من ابلغ ذا سلطان حاجة من لا يستطيع ابلاغه ثبت الله قدمه على الصراط يوم تزل الاقدام." (رزین و بزاز)

ترجمہ: جس نے حاکم تک ایسے بیچارے کی ضرورت پہنچادی جو خود نہیں پہنچا سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسے دن پل صراط پر ثابت قدم رکھیں گے جب اچھے اچھے ڈگمگا جائیں گے۔

اگر ہمارا کوئی کارکن کسی مظلوم یا پریشان حال کی اس طرح امداد کر کے اور اس کو سہارا دے کر پل صراط پر ثابت قدم رہ سکتا ہے تو اس کے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ اور اس جماعت کے لیے قابل مبارکباد ہے جس میں ایسے ایسے کارکن تربیت پاتے ہیں، اسی طرح کی ایک روایت اور بھی ہے۔ ان ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"ان لله خلقاً خلقهم لحوائج الناس يفزع الناس اليهم فى حوائجهم اولئك الآمنون من عذاب الله." (طبرانی)

ترجمہ: خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی ہے جس کو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے لوگ اپنی ہر مصیبت میں ان کی طرف دَوڑ کر آتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو عوام و خواص کی خدمت کر کے ان کو اتنا حوصلہ دے دیتے ہیں کہ وہ اپنی پریشانیوں میں ان کے پاس دوڑ کر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو آخرت کے عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ گویا ان کی جس دوڑ دھوپ نے لوگوں کی مشکلات حل کر دیں، اسی نے آخرت کی سرخروئی کا سامان بھی فراہم کر دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی انسانی محنت کی قبولیت اور کیا ہو سکتی ہے۔

زندہ قوموں کی یہ نشانی ہے کہ طاقت ور افراد، بے سہارا اور کمزور لوگوں کو ظالموں اور شر پسندوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتے۔ نہ کسی بے کس کو اپنی خستہ حالی سے لڑنے کے لیے تنہا رہنے دیتے ہیں بلکہ وہ ہر ایسے شخص کی مدد کر کے اور اس کو سہارا دے کر معاشرے کو سر بلند کرتے ہیں۔ اور زندگی کو خوشگوار بنا لیتے ہیں۔ اسی لیے حضورؐ نے صحابہؓ کو مشورہ نہیں دیا ہے، بلکہ حکم فرمایا ہے:

"انصر اخاک ظالماً او مظلوماً." (کوئی بھائی ظالم ہو یا مظلوم ہر ایک کی مدد کرو)

کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ مظلوم تو مظلوم ہے، ظالم کی مدد کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"تحجزہ عن الظلم فان ذالک نصرہ." (بخاری)

ترجمہ: اس کو ظلم کرنے سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔

حکمرانی عوام کی خدمت ہے

اسلام میں حکومت اور حکمرانی کا مطلب "خدمت" کرنا ہے، آقائی کرنا نہیں ہے۔ قرآن کریم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ وہ لوگ ہیں، اگر ہم اُنھیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ لوگ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔" (سورۂ حج)

مطلب یہ کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اقتدار حاصل کر کے دوسروں کی طرح ظلم و ستم کرنے، لوٹ کھسوٹ کرنے اور کمزوروں کا حق چھیننے کے بجائے ان کی خدمت کریں گے۔ خود بھی نیک زندگی گزاریں گے اور دوسروں کو بھی نیک زندگی گزارنے کی تلقین کریں گے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"سیّد القوم خادمھم." (قوم کا سرداران کا خدمت گزار ہوتا ہے)

جو انسان حکومت کا منصب حاصل کر کے کمزوروں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، اور اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھتا ہے، اس کا درجہ خدا تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آخرت میں جن سات خوش قسمت انسانوں کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا ان میں

سب سے پہلا انسان ''امام عادل'' (انصاف کرنے والا حاکم) ہوگا۔

یہی حاکم عادل ہے جسے حدیث میں زمین پر خدا کا سایہ کہا گیا ہے، جس میں خدا کے مظلوم بندوں کو پناہ نصیب ہوتی ہے۔

''السلطان ظل اللّٰہ یاوی کل مظلوم.''

ترجمہ: حاکم خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ ہر مظلوم اس کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔

اس کے برخلاف جو حاکم اپنے آپ کو عوام کا مالک اور آقا سمجھتا ہے اور عوام کی خدمت کرنے کے بجائے کمزوروں کا خون چوس کر اپنے عیش و آرام کے محل تعمیر کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''وھو غاش لھم الا حرّم اللّٰہ علیہ الجنّۃ.'' (مشکوٰۃ)

ترجمہ: جو حاکم عوام کے ساتھ خیانت کرتا ہے خدا تعالیٰ جنت کو اس پر حرام کر دیتا ہے۔

سیاسی اقتدار کا کوئی منصب ہو، فرماں روائی کا اعلیٰ عہدہ یا ایک سپاہی کا معمولی منصب۔ جمہوری پارلیمنٹ کی ممبری ہو یا کسی میونسپل بورڈ کی کرسی، ان عہدوں میں سے کسی عہدہ پر فائز ہو کر انسان عوام کی خدمت کرتا ہے۔ خدمت کرنے کے جذبہ سے حکومت میں شریک ہوتا ہے، ظلم سے دُور رہتا ہے، ظالموں کی اعانت سے پرہیز کرتا ہے اور کمزوروں کی امداد کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے، تو وہ سیاسی عہدہ دار اسی اجر و ثواب کا حق دار ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ''امام عادل'' کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اگر اس کا مقصد حکمرانوں کی خوشامد یا اپنی ذات کے لیے استحصال ہو تو وہ ظلم کا معاون اور گناہ گار ہے۔

عورتوں کے لیے ''خدمتِ خلق'' کا دائرہ

''خدمت خلق'' کے لیے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں، ان میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ بندگانِ خدا کی خدمت جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے ضروری ہے۔ البتہ اسلام کہتا ہے کہ عورتوں کا اصلی دائرۂ خدمت ان کا گھر ہے۔ عورتوں کو بیرونِ خانہ کی ذمہ داریوں سے اسلام نے اسی لیے سبکدوش کر دیا ہے کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ کر خانگی زندگی کے فرائض ادا کریں۔

لیکن اسی کے ساتھ اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ جب ضرورت پیش آئے، تو عورت گھر کے دائرہ سے باہر آسکتی ہے، بلکہ لازماً اسے انجام دینے چاہئیں۔ ہاں اسے ہر حال میں اپنی عصمت مآبی کا خیال رکھنا ہوگا۔ گھر سے باہر اسے بڑھک دار لباس سے پرہیز کرنا ہوگا تاکہ لوگوں کی نظریں اس کی طرف مائل نہ ہوں، چال ڈھال بھی سنجیدہ رکھنی ہوگی کیونکہ ناز و انداز کے ساتھ چلنے سے مردوں کی نگاہیں خود بخود عورت کی طرف اُٹھنے لگتی ہیں۔ لوچدار آواز سے بھی پرہیز کرنا ہوگا اور اس قسم کے زیور سے بھی تاکہ وہ آواز مَردوں کے کانوں کے لیے فتنہ کا سامان نہ بن جائے۔

اسلام نے عورت کے لیے پردہ کے حدود قائم رکھنے کی سخت تاکید کی ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر عام مصیبت کا وقت آجائے اور مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے کاموں میں شریک ہونا ضروری ہو تو اس وقت اسلام پردہ کے احکام میں نرمی کر دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خواتینِ اسلام میدانِ جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، پیاسوں کو پانی پلاتیں، مجاہدین کے لیے کھانا پکاتیں، کیمپوں کی حفاظت کرتیں۔

غزوۂ اُحد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُمّ سلیمؓ اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پلاتی تھیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس حال میں اُنھیں اپنے پائینچے اُٹھائے دوڑ دوڑ کر آتے جاتے دیکھا۔

اسی جنگ میں ربیع بنت معوّذ اور خواتین کی ایک جماعت زخمیوں کو اُٹھا اُٹھا کر مدینہ منورہ لے جارہی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ''پردہ'' اور حجاب کی نوعیت کسی ''جاہلانہ رسم'' کی سی نہیں، جس میں انسانی ضرورتوں کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔

اسلام کے ارکانِ خمسہ اور خدمتِ خلق

اسلام نے عبادت کے پانچ رُکن مقرر کیے ہیں۔ (۱) توحید الٰہی کا عقیدہ (۲) نماز (۳) روزہ (۴) حج (۵) زکوٰۃ۔ ان پانچ ارکان میں توحید کے تصور سے وحدتِ انسانی کا جذبہ

اُبھرتا ہے اور انسانی وحدت و یکتائی کا جذبہ اخلاقِ حسنہ اور خدمت کے لیے بنیادی محرک ہے اسی جذبہ سے انسان کے اندر اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

نماز انسان کے اندر وقت کی پابندی، ستر پوشی، صبح خیزی، صفائی ستھرائی اور آپسی میل جول کے جذبات اُبھارتی ہے اور یہ تمام باتیں شہری زندگی کے معیار کو اونچا کرتی ہیں اور ان سے سماج کا وقار بلند ہوتا ہے۔

روزہ سے انسان کے اندر بھوک پیاس کا احساس پیدا ہوتا ہے اور بھوک پیاس کے مارے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پرورش پاتا ہے۔

زکوٰۃ سے براہِ راست غریبوں کی مالی امداد ہوتی ہے۔ زکوٰۃ اپنے سرمایہ میں سے ڈھائی روپیہ سینکڑہ کے حساب سے غریبوں اور مسکینوں کو لازمی طور پر ادا کی جاتی ہے۔ واجب اور نفلی صدقات، زکوٰۃ کے علاوہ ہیں۔

حج بیت اللہ کی عبادت ملّتِ اسلامیہ کی مرکزی تنظیم کو مستحکم اور مضبوط کرتی ہے۔ یہ ہیں وہ رفاہی اور ملّی مصلحتیں جو خدا کی عبادت اور اس کی بندگی کے ان پانچ ارکان سے وابستہ ہیں۔

انہی عبادات نے عرب جیسی وحشی قوم کو چند سال میں ادب و تہذیب کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا تھا۔ اور یہ عبادات جب کسی قوم میں صحیح اسپرٹ کے ساتھ رائج ہو جاتی ہیں تو اس کے خیالات کو بلند سے بلند تر اور اس کی معاشرت کو پاکیزہ سے پاکیزہ بنا دیتی ہیں۔

سماجی خدمت کے مختلف شعبے

ماں باپ کی خدمت

اسلام کی طرف سے ہر انسان پر خدمتِ خلق کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان میں سب سے بڑی اور سب سے پہلی ذمہ داری ماں باپ کی خدمت کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی یعنی اپنے حق کے بعد جس حق کا حکم دیا ہے وہ ماں باپ کی خدمت کرنا ہے۔ فرمایا:

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا."

ترجمہ: اور خدا کی بندگی کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

ایک مشہور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اولاد اپنے ماں باپ کا بڑھاپا پائے اور اس عمر میں ان کی خدمت کا حق نہ ادا کرے حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر اس اولاد کے لیے لعنت کی بددعاء کی اور میں نے خدا کے حکم کے مطابق اس پر آمین کہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جہاد جیسی عظیم عبادت میں شریک ہونے سے روک دیا جن کے ماں باپ ان کی خدمت کے محتاج تھے، تاکہ ایسے لوگ تجارت اور زراعت وغیرہ میں جدوجہد کریں اور اپنے ماں باپ کی خدمت کے لیے پیسہ کما کر لائیں۔ ہاتھ پیروں سے بھی خدمت کریں اور روپے پیسے سے بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

بڑے بھائی کی خدمت

ماں باپ کے بعد بڑے بھائی کا درجہ ماں باپ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حق كبيرة الاخوة على صغيرهم حق الوالد على ولد."

(اخلاقِ محمدی حصہ اوّل، ص ۳۳)

ترجمہ: بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر ایسا ہی ہے جیسا کہ باپ کا حق اولاد پر۔

اولاد اور چھوٹے بھائیوں کی خدمت

اسلام میں اگر اولاد پر ماں باپ کی خدمت کا حق فرض کیا گیا ہے تو اسی کے ساتھ ماں باپ پر بھی اولاد کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ ماں باپ اگر اپنی اولاد کی پرورش کے ساتھ ساتھ ان کو اچھی تعلیم و تربیت سے محروم رکھتے ہیں تو اس کا نقصان آگے چل کر خود انہی کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ نہ صرف ان کو بلکہ پوری سوسائٹی کو اُٹھانا پڑتا ہے اور پوری قوم چند برے آدمیوں کی وجہ سے پریشان ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے حکم دیا:

"قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَاراً." (سورۂ تحریم)

ترجمہ: لوگو! اپنی جانوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرو۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی:

(۱) بچوں کو ادب و شائستگی سکھانا صدقہ کرنے سے بہتر نیکی ہے۔

(۲) اولاد کے لیے بہترین عطیہ اور بہترین دولت اچھی تعلیم سے اُنھیں آراستہ کرنا ہے۔

(۳) لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان فرق نہ کرنا چاہیے، بلکہ لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت کا بھی لڑکوں کی تعلیم و تربیت کی طرح اہتمام کرنا چاہیے۔

ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

اچھی تربیت اور اچھی تعلیم کیلئے اہتمام

اسلام نے اولاد کو اچھی سے اچھی تعلیم اور اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت کا انتظام ضروری قرار دیا ہے اور اس کے لیے تمام بہتر تدبیریں اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الاستعاذہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت نقل فرمائی ہے:

"تعوذوا باللّٰہ من جَھْد البلاءِ ومن درک الشقاء و من سوء القضاء."

ترجمہ: لوگو! خدا تعالیٰ سے پناہ مانگا کرو، امتحان کی سختی سے، برائی کے ملنے سے اور برے فیصلے سے۔

حدیث کے شارحین نے ''جَھدِ بلاء'' یعنی امتحان کی سختی کی شرح میں لکھا ہے:

''من قلة المال و كثرة العيال.''

ترجمہ: امتحان کی شدت یہ ہے کہ مال کی کمی ہو اور اولاد کی زیادتی ہو

اس شرح کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مال کی کمی کی صورت میں اولاد کی زیادتی سے انسان کو بچنا چاہیے۔

اولاد کی کثرت ہو اور مال کی کمی ہو تو ایسی صورت میں انسان بڑی سختی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور روٹی کپڑے کے چکر ہی سے اس کا نکلنا مشکل رہتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا تو دُور کی بات ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خود بھی یہ دُعاء فرمایا کرتے تھے تاکہ اُمت بھی اس دُعاء کو سیکھ لے۔ فرمایا کرتے تھے:

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ.'' (میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں افلاس اور کفر سے)

ایک صاحب نے پوچھا: ''تعدلان؟'' ''حضورؐ! کیا افلاس اور کفر دونوں برابر ہیں؟ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا: ہاں، دونوں کے نتائج خطرناک ہونے میں برابر ہیں۔

بیوی کا حق

اسلام سے پہلے سماج میں عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی، دُنیا کی تمام قومیں عورت کو پیر کی جوتی کے برابر سمجھتی تھیں۔ اسلام نے اس غلط خیال کی اصلاح فرمائی اور سماج میں عورت کو باعزّت مقام عطا فرمایا۔ قرآن حکیم نے اعلان کیا:

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ.'' (بقرہ ۲۸)

ترجمہ: اور عورتوں کا حق دستور کے مطابق مَردوں پر ویسا ہی ہے جیسا مَردوں کا عورتوں پر۔ البتہ مَردوں کو عورتوں پر ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔

اس قانون نے شوہروں پر ضروری قرار دیا کہ وہ اپنی رفیقۂ حیات کی جملہ ضرورتوں،

کھانے، پینے، کپڑے، رہائش، بیماری میں علاج اور سماج کے باعزت فرد کو آرام اور راحت کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے ان سب کا انتظام کرے۔ اور عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق رفیقۂ زندگی بنا کر رکھے۔ البتہ گھر کا نظام چلانے کے لیے عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرد کو گھر کا نگراں اور سردار سمجھے، کیونکہ مرد کے ذمہ گھر کے چلانے کے لیے کمانے اور پیسہ لانے کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر اپنی بیویوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اور جس طرح اُنھیں عزت اور عظمت کے مقام سے نواز کر عورتوں کی توہین اور تحقیر کے عام تصور اور رواج کی تردید فرمائی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا نہایت روشن باب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ جو آپؐ کی رفیقۂ حیات ہیں، آپؐ کے حسنِ سلوک کے متعلق فرماتے ہیں:

حضرت اسود ابن زیدؒ نے اپنی استانی حضرت عائشہؓ سے سوال کیا: حضورؐ اپنے گھر میں کیا کیا کام کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا:

"کان فی مهنة اهله فاذا سمع الاذان خرج." (بخاری ادب المفرد)

یعنی حضورؐ اپنے گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جب اذان کی آواز سنتے تھے تو باہر تشریف لے جاتے تھے۔

شوہر کا حق، شوہر کی خدمت

اسلام نے عورت پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ مرد کی اطاعت کرے، مرد سے اپنے حقوق حاصل کرے اور اپنی پوری وفاداری شوہر کے لیے وقف کر دے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"ای النساء افضل یا رسول اللّٰہ؟" (حضورؐ! بہترین عورت کونسی ہے؟)

قال: اذا نظر الیها سرّته و اذا امرها اطاعته و اذا غاب عنها حفظته." (ابوداؤد)

ترجمہ: فرمایا: بہترین عورت وہ ہے جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کرے، جب

حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور جب شوہر گھر سے باہر جائے تو اس کی یعنی اس کے مال اور اس کے بچوں کی اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جامع ترین ہدایت ہے۔ انسانی نفسیات کا بہترین ماہر مرد و عورت کے معاملات پر جو زیادہ سے زیادہ کہہ سکتا ہے وہ تین مختصر جملوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا: عورت کا فرض ہے:

(۱) مرد اپنی عورت کو اس کے فرائض کے متعلق جو حکم دے اسے بجالائے، نافرمانی اور لاپرواہی سے پرہیز کرے۔

(۲) جب شوہر گھر سے باہر جائے تو اس کے مال کی اور اس کے بچوں کی اور اپنے ناموس کی حفاظت کرے۔

(۳) جب شوہر دن بھر کا تھکا ہارا گھر میں داخل ہو تو اسے ہنس کر دیکھ لے اور خوش کر دے۔

دن بھر اگر کسی قسم کی تکلیف میں رہی ہے، ساس، نندوں کے طعنے سنے ہیں تو شوہر کے آتے ہی شکوہ شکایت کا دفتر نہ کھولے کیونکہ اس سے دن بھر کا تھکا ہارا شوہر پریشان ہو جائے گا۔

اسلام مرد و عورت کے تعلقات اور حقوق کے لیے جو مکمل ترین اور متوازی قانون اپنے پاس رکھتا ہے دنیا کی کسی تہذیب کے پاس اتنا متوازی اور جامع قانون موجود نہیں ہے۔

رشتہ داروں کی خدمت

اسلام میں رشتہ داروں کی خدمت کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے:

"فَاٰتِ ذَالْقُرْبیٰ حقّه." (روم) (قرابت دار کو اس کا حق دو)

والدین کی خدمت کے بعد اگر کسی کی خدمت کرنے کا حکم ساتھ ساتھ دیا گیا ہے تو وہ رشتہ دار ہیں۔

عربوں کے محاورہ میں اس کا نام "صلۂ رحم" ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داری کا حق ادا کرنے والے کو خوش خبری دیتے ہوئے ایک بڑی گہری بات ارشاد فرمائی، فرمایا:

"جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی اور اُس کی عمر میں برکت ہو،

تو اسے چاہیے کہ ''صلۂ رحمی'' (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک) اختیار کرے۔''

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کتاب الادب میں نقل کیا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔

صلۂ رحمی کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) رشتہ داروں کی مالی امداد کی جائے، (۲) ان کی خدمت میں وقت اور عمر کا کچھ حصہ صرف کیا جائے۔

پہلی صورت میں روزی کی کشادگی کا وعدہ ہے اور دوسری صورت میں درازیٔ عمر کی بشارت ہے۔ یعنی رشتہ داروں کے لیے جو چیز بھی صرف کی جائے گی اسی میں برکت ہوگی۔ پیسہ خرچ کرو گے، دولت بڑھے گی، وقت خرچ کرو گے عمر زیادہ ہوگی۔

پھر اس وعدہ و بشارت کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ جس شخص کے خاندانی اور گھریلو حالات درست، پرسکون اور خوشگوار ہوتے ہیں۔ وہ پورے اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور اپنے کاروبار میں مشغول رہتا ہے اور جس کے گھر اور خاندان میں جھگڑے رہتے ہیں، اس کا دماغ انہی جھگڑوں میں اُلجھا رہتا ہے اور وہ اپنی ساری طاقت اسی میں لگائے رکھتا ہے۔ اور ایک رشتہ دار دوسرے کے درپے آزار رہتا ہے اور ترقی کے بجائے پورا خاندان زوال کی نذر ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے درمیان، عزیزوں اور بھائی بندوں کے درمیان تعاون، امداد اور خیر خواہی کے حالات دنیوی ترقی کے لیے بھی از حد ضروری ہیں۔ اور آخرت میں کامیابی اور جنت میں جانے کے لیے بھی لازمی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی غرض سے ''قاطع رحم'' یعنی جو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے اس کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا: لایدخل الجنۃ قاطع رحمٍ'' (رشتہ داری کو توڑنے والا جنت میں نہیں ہوگا)

غیر مسلم رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک

رشتہ داروں کے ساتھ اسلام نے جس حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس میں مسلمان

رشتہ دار اور غیر مسلم رشتہ دار دونوں برابر ہیں۔ غیر مسلم ماں باپ کے متعلق فرمایا:

''اگر وہ تجھے شرک کرنے یعنی خدا کے حق کو پامال کرنے پر مجبور کریں تو ہرگز ان کا حکم نہ مانیو، لیکن ''وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفاً'' (سورۂ لقمان) (دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہیو)

قانونِ اسلام کے شارحین نے وضاحت کردی ہے کہ جو حکم غیر مسلم ماں باپ کا ہے وہی حکم دوسرے غیر مسلم رشتہ داروں کا ہے۔ ہر رشتہ دار اپنے درجہ کے مطابق حسن سلوک کا حقدار ہے۔ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے کسی رشتہ دار کو حسن سلوک سے محروم کرنا بڑا گناہ ہے۔ ترکہ اور میراث کا حکم اس سے الگ ہے۔

ہمسایہ اور پڑوسی کی خدمت

پڑوسی ایک جگہ رہتے بستے آدمی کو کہتے ہیں۔ پڑوسی کا درجہ اسلام میں بہت بڑا ہے۔ اس کا حق بھی بہت زیادہ ہے۔ وہ پڑوسی ہی ہے جو سب سے پہلے دُکھ تکلیف میں کام آسکتا ہے۔ ہر آدمی آواز پر گھر کے اندر پہنچ سکتا ہے۔

دو پڑوسیوں کے درمیان اگر محبت، رفاقت اور اعتماد کے تعلقات قائم ہوں تو زندگی خوش حالی سے بسر ہوجاتی ہے۔ اور اگر دو پڑوسی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں تو وہ زندگی، زندگی نہیں، اس سے موت کو بہتر سمجھئے۔

اسلام نے ایک خوش حال سماج کی اس فطری ضرورت کو پوری طرح سمجھا ہے اور تاکید کی ہے کہ ہر پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو برداشت کرے، جھگڑا ہوجائے تو اسے شرافت کے ساتھ رفع کرے اور بات کو زیادہ بڑھنے نہ دے، پڑوسی مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام کی نظر میں ہر قسم کے پڑوسی کا بڑا درجہ ہے۔

قرآن کریم نے ہدایت فرمائی:

''وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ. (سورۂ نساء-۶)

ترجمہ: خدا نے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ رشتہ دار ہمسایہ کے ساتھ، غیر رشتہ دار ہمسایہ کے ساتھ، اور پہلو کے رفیق کے ساتھ۔

اس آیت میں تین قسم کے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔

(۲) پڑوسی ہو لیکن اس کے ساتھ کسی قسم کی خاندانی رشتہ داری نہ ہو۔

(۳) سفر، کاروبار، سیر و تفریح یا کسی موقع پر کسی کے ساتھ رفاقت قائم ہو جائے، وہ بھی رفیق اور پڑوسی کا درجہ رکھتا ہے۔

اسلام کی نظر میں یہ تینوں ہی پڑوسی ہیں۔ کوئی مستقل پڑوسی ہے، کوئی عارضی اور وقتی پڑوسی اور رفیق ہے۔ کوئی صرف پڑوسی ہے۔ اور کوئی پڑوسی کے ساتھ عزیز اور رشتہ دار بھی۔

ان تمام ہمسایوں اور رفیقوں کے ساتھ ہمدردی کرنا، ان کی مدد کرنا، ان کے کام آنا، ان کے جذبات کا پاس رکھنا، ان کی تکلیف اور دل آزاری سے بچنا، اسلام کا تاکیدی حکم ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ اور کیا سخت تاکیدی انداز میں نصیحت فرما سکتے تھے؟ ارشاد فرمایا:

"لایدخل الجنّة من لا یا من جارہ بوائقہ."

ترجمہ: وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ رہتا ہو۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

"لیس المومن من یشبع و جارہ' جائعٌ." (متفق علیہ)

ترجمہ: وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

اسلام نے پڑوسی کے ساتھ، مستقل پڑوسی ہو یا سفر، کاروبار اور راستہ کا رفیق و ساتھی ہو ہر قسم کا شریفانہ برتاؤ کرنے کا حکم دے کر شہری زندگی کا جو صالح اور اُونچا نمونہ پیش کیا ہے، وہ اسلامی تعلیم کی ان خصوصیات میں سے ہے جو اسے دین فطرت قرار دیتی ہے۔

خاص طور پر ایک ایسے پڑوسی اور رفیق کار کے ساتھ جو نہ خاندانی رشتہ رکھتا ہو اور نہ مذہبی رشتہ، بلکہ مذہب اور خاندان کے لحاظ سے بالکل غیر ہو، ایسے غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ ایک مسلمان کو محبت، رواداری، پاسداری اور خدمت کا جو تعلق رکھنا ضروری ہے، اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے جو نمونہ عمل چھوڑا ہے، وہ دوسرے مذاہب میں ممکن نہیں۔ ایک کامل ہادی اور عالمگیر مذہب ہی اس نازک معاملہ میں ایسی صاف اور بے لاگ ہدایت

دے سکتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یہودی پڑوسی کے بغیر اچھا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ گھر میں جب کوئی عمدہ چیز پکتی تو گھر والوں کو ہدایت کی جاتی کہ پہلے یہودی پڑوسی کو ہدیہ بھیجا جائے۔

شہرِ مدینہ میں بسنے والے یہودیوں کو مذہب کی مکمل آزادی بخشی جاتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی یہودی کے اعتقاد پر بگڑ کر اس کے ساتھ زیادتی کر بیٹھتا ہے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف ایکشن لیتے ہیں۔ اور شہر میں بسنے والے غیر مسلموں کے مذہبی جذبات کا پاس رکھنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے کتاب المظالم میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ اگر کسی پڑوسی کو اپنے پڑوس کے مکان کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کی ضرورت ہو تو دوسرا پڑوسی اس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی اجازت دیدے۔

حضرت ابوہریرہؓ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے:

"مالی اراکم عنها معرضین و اللّٰہ لَاَرمِیَنَّ بِهَا بین اکنافکم."

ترجمہ: یہ کیا بات ہے کہ میں تمھیں حضورؐ کی اس ہدایت سے منہ پھیرنے والا پاتا ہوں۔ خدا کی قسم میں اس حکم کو تمھارے دونوں مونڈھوں کے درمیان ضرور پھینکتا رہوں گا۔

یعنی تم کو سناتا رہوں گا اور پڑوسی کے حقوق کا اعلان کرتا رہوں گا۔

معلوم ہوا کہ کچھ لوگ پڑوسی کو اس طرح کی سہولت دینے پر ناک بھوں چڑھاتے ہوں گے اور حضرت ابوہریرہؓ اس حکمِ رسالت کو ان کے سامنے تاکید کے ساتھ پیش کرتے رہتے ہوں گے۔

شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ یعنی پڑوسی کے لیے مستحب اور افضل یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی اس رہائشی ضرورت کو پورا کرے، لیکن احمد ابن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہ اور علماءِ اہلِ حدیث کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے، یعنی اجازت دینا واجب ہے۔ اگر اجازت نہ دے گا تو گناہگار ہوگا۔

(بخاری کتاب المظالم، ب ۹)

علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ پڑوس کے حدود ہر مکان کے چاروں طرف چالیس چالیس مکان تک ہے۔ یعنی ہر شخص کو اپنے چاروں طرف چالیس چالیس مکانوں تک پڑوس کا حق ادا کرنا چاہیے۔ (عن حسن بصریؒ)

پڑوسن کو خدمت اور اخلاق کی ہدایت

پڑوسی کو آرام پہنچانے کی ہدایت مرد سے زیادہ عورت کے لیے ہے کیونکہ مرد تو صبح کا نکلا شام ہی کو گھر واپس آتا ہے لیکن عورت چوبیس گھنٹے پڑوس میں رہتی ہے۔ مرد کتنا ہی اخلاق کا اچھا ہو، اگر عورت برے اخلاق والی ہے تو اس کے پڑوس کو کبھی چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس لیے عورت کو پڑوس کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کی سخت ہدایت کی گئی ہے۔

دو مسلمان عورتیں تھیں۔ ایک رات بھر نمازیں پڑھا کرتی، دن کو روزے رکھتی، صدقہ و خیرات کرتی، مگر ان تمام عبادتوں کے باوجود زبان کی بہت تیز اور اخلاق کی خراب تھی اور اس کے پڑوسی اس سے تنگ رہا کرتے تھے۔

حضورؐ کے رفیقوں نے اس عورت کا حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا: ''اس میں کوئی نیکی نہیں، اسے دوزخ کی سزا ملے گی۔''

صحابہ کرامؓ نے پھر ایک دوسری عورت کا حال صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ یہ خاتون صرف روزہ نماز کے فرائض ادا کرتیں، نوافل و شب بیداری کے اعمال ان کے ہاں موجود نہ تھے، مگر کسی کو ستانے اور پریشان کرنے سے ہمیشہ گریز کرتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال سن کر فرمایا ''یہ خاتون جنتی ہے۔''

یہ واقعہ امام بخاریؒ نے ادب المفرد پڑوسی کے احکام کے باب میں نقل کیا ہے۔ ہمسایہ کے حقوق کی اہمیت اس سے زیادہ اور کیا ظاہر ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''ما زالَ جبریلُ یوصینی بالجار حتی ظننتُ انه سیورثه.''

(ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۵۴)

ترجمہ: جبریل امینؑ مجھے ہمیشہ پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی نصیحت کرتے، یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو میراث میں شریک کرنے کا حکم سنا دیں گے۔

یتیموں کی خدمت

اسلام کے تکمیلی کارناموں میں ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یتیم بچے اور بچیوں کی خبر گیری، خدمت اور امداد پر پوری توجہ دی، اور اس کام کے لیے مکمل ضابطے اور ہدایات جاری کیں۔

آج اس واجب الرحم معصوم گروہ کی خبر گیری اور ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے دُنیا کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ سب اسلام کی پیروی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید ہے۔

قرآن پاک میں جگہ جگہ یتیموں کی امداد و سرپرستی کی تاکید آئی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ ایک ارشاد گرامی یتیموں کی خدمت کے کاموں کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ ارشاد فرمایا:

"انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنّة." (ابوداؤد، ج۲، ص۳۵۴)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا: میں اور یتیم کی دیکھ بھال کرنے والا جنت میں پاس پاس ہوں گے

دُنیا کے دانشمندوں نے تسلیم کیا ہے کہ عرب پہلی سرزمین ہے جہاں یتیموں کی باقاعدہ پرورش کے لیے یتیم خانہ کی بنیاد پڑی اور اسلام کی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے یتیم بچوں کے متعلق اپنی صحیح ذمہ داری کو محسوس کیا۔ ان کے وظیفے مقرر کیے، مکتب قائم کیے، جائدادیں وقف کیں، قاضیوں کا فرض قرار دیا کہ وہ یتیموں کے سرپرست بنیں، اور ان کے جملہ معاملات کی نگرانی کریں۔

ہر مسلمانوں کا فرض قرار پاتا ہے کہ وہ یتیموں اور لاوارث بچوں کی پرورش اور سرپرستی کے کاموں میں آگے آگے رہیں۔ اور اس کام کو دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں بڑے درجہ کا ذریعہ سمجھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے خاندان اور مدینہ کی دوسری یتیم بچیوں کو اپنے گھر لا کر ان کی پرورش کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ یتیم بچے یا بچی کو دسترخوان پر اپنے ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

مسافروں کی خدمت

قرآن کریم نے مسافروں کی امداد و خدمت کے لیے مستقل طور پر حکم دیا ہے:

"وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلَ"

ترجمہ: اصل نیکی یہ ہے کہ مال کے ساتھ محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں کی مدد کرے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی اعانت کرے۔

ایک شخص اپنے گھر میں صاحب حیثیت ہوتا ہے۔ وہ خود دوسروں کی مدد کرتا ہے لیکن کبھی کبھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ہزار غریبوں سے زیادہ غریب ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے مسکینوں، یتیموں اور غرباء کی مدد کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ مسافروں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اگرچہ آج آمد و رفت کی آسانیوں نے مسافرت کی ان دُشواریوں کو ختم کر دیا ہے جو اُونٹ، گھوڑے اور گدھے پر سفر کے دَور میں موجود تھیں، مگر پھر بھی مسافر، مسافر ہی ہے اور وہ ہر طرح کی امداد اور خدمت کا مستحق ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکاری طور پر ایسے آدمی مقرر کر رکھے تھے جو راستہ بھول جانے والے مسافروں کو راستہ بتایا کرتے تھے اور ان راستوں پر ڈالا کرتے تھے جو پانی اور سایہ کی سہولتیں رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ ہی نے سب سے پہلے کوفہ میں ایک مسافر خانہ قائم کیا۔ اس کے بعد اسی شہر میں حضرت عثمان غنیؓ نے مسافر خانہ بنوایا۔ اس سے پہلے اس تجارتی شہر میں آنے والے مسافروں کو لوگ اپنے گھروں میں ٹھہرایا کرتے تھے۔

بیماروں کی خدمت

اسلام میں بیماروں کی "عیادت" کرنے کی پرزور تاکید آئی ہے۔ عیادت مریض کا حکم دیتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرمایا کرتے تھے:

"عَوِّدوا المریض و اتبعوا الجنائز."

ترجمہ: بیماروں کی عیادت کیا کرو اور جنازوں کے ساتھ جایا کرو۔

اسلام میں عیادت کے معنی صرف مزاج پرسی کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیمار کی ہر ممکن خدمت کرو۔ مزاج پرسی کرو، خبر گیری کرو، اور اس کی خدمت، علاج وغیرہ میں حصہ لو۔ حدیث میں آتا ہے:

''جب کوئی کسی بیمار کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک وہ جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔ (مسلم شریف باب عیادۃ المریض)

فقہاء اسلام نے وضاحت کی ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے اسلام نے جو تاکید کی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہیں، کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی عیادت کی ہے۔ اور منافقین کی عیادت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہیں۔ حالانکہ منافقین اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن سوال کرے گا: ''اے میرے بندے! میں بیمار پڑا مگر تو میری عیادت کو نہیں آیا۔'' بندہ کہے گا: خداوندا! تو تو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ میں تیری عیادت کیا کرتا؟ خدا تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا، مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔'' (مسلم شریف باب عیادۃ المریض)

مہمانوں کی خدمت

مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔''

مہمانی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن مقرر فرمائے اور واضح کیا کہ مہمانی تین دن کی ہے۔ اس کے بعد مہمان کے لیے صدقہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ مہمان کو کسی کے ہاں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرنا چاہیے کیونکہ اس سے میزبان کو زحمت ہوگی۔ تین دن سے زیادہ کی مہمانی صدقہ ہو جائے گی جسے ایک غیرت دار مہمان خود ہی پسند نہیں کرے گا۔

جانوروں کے حقوق

اسلام خدا کی تمام مخلوق پر رحم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے مخلوقِ خدا میں ہر جاندار کے حقوق الگ الگ تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ خدا کی مخلوق میں جانور بھی شامل ہیں۔ اسلام نے جانوروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے اور ان کی خدمت کرنے کی بڑی وضاحت سے ہدایت فرمائی ہے۔

اسلام کے آنے سے پہلے حیوانات کے ساتھ بڑی زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ عرب کے جاہل بھی حیوانات پر بڑا ظلم کرتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم وزیادتی کی ان تمام صورتوں کو ممنوع قرار دے کر حیوانات پر رحم کرنے کی جو ہدایات جاری کیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) کسی جان دار کو شکار بازی کے لیے نشانہ کے طور پر استعمال کیا جائے جب کہ اسے کھانا مقصود نہ ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ مرغی کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کر رہا ہے۔ آپ نے اسے منع کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت فرمایا کرتے تھے۔

(ترمذی، ابواب العبد، ص ۲۵۵)

(۲) زندہ جانوروں کے جسم میں سے گوشت کا کچھ حصہ کاٹا جائے، وہ حرام ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دیکھا کہ لوگ زندہ اُونٹ کا کوہان اور زندہ دُنبہ کی چکتی کاٹ کر کھاتے ہیں تو آپؐ نے یہ حکم جاری فرمایا:

(۳) جس حلال جانور کو کھانے کی نیت نہ ہو اسے مارا نہ جائے، کیونکہ یہ اسے ضائع کرنا ہے۔

(۴) جو جانور نہ موذی ہوں اور نہ اُنھیں کھایا جاتا ہو، اُنھیں ہلاک نہ کیا جائے، جیسے چیونٹیاں، شہد کی مکھیاں، ہدہد وغیرہ۔

(۵) ذبح ہونے والے جانوروں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔

(۶) جانوروں کے آرام، چارہ اور پانی کا خیال رکھنے کی سخت ہدایت فرمائی۔

ایک روز فرمایا: لوگو! جب تم شادابی کے موسم میں سفر کیا کرو، تو جانوروں کو گھاس پھونس

سے فائدہ اُٹھانے دیا کرو۔ اور جب خشکی اور گرمی کے موسم میں سفر کیا کرو تو سفر کی مسافت جلد طے کیا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ایک باغ میں قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ باغ ایک انصاری کا تھا۔ اس باغ میں ایک اُونٹ تھا، یہ اُونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بلبلایا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے:

"فاذا جمل فلما رای النبی صلی اللہ وسلم حنّ و ذرفت عیناہ فاتاہ النبیؐ فمسح ذفراہ فسکت فقال من رَبُّ ھذا الجمل؟"

ترجمہ: وہ اُونٹ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر چیخنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضورؐ اس اُونٹ کے پاس آئے اور اس کی کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرا، وہ چپ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اس کا مالک کون ہے؟

اس کا مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا:

"افلا تتقی اللّٰہ فی ھذہ البھیمۃ التی ملّک اللّٰہ ایاھا فانہ شکا الَیَّ اِنّک تجیعہ و تدیئہُ." (ابوداؤد، ص ۳۵۲، ج ۲)

ترجمہ: کیا تم ان جانوروں کے بارے میں خدا کا خوف نہیں کرتے جن کا خدا نے تمھیں مالک بنایا ہے۔ اس اُونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے تکلیف دیتے ہو اور تھکا دیتے ہو۔

ایک اُونٹ کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چیخنا اور آنسوؤں سے رونا، یہ حضورؐ کی نبوت و رحمت کا کھلا نشان تھا جو آپؐ کی صداقت کو واضح کرنے کے لیے سامنے آیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ چوپایوں اور جانوروں کو بازی گری کے طور پر آپس میں لڑایا نہ کرو۔ یہ بھی اُن بے زبانوں پر ظلم و زیادتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسانوں کی جس خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، ان سے وہی خدمت لینی چاہیے۔

ضرورت مندوں کی سفارش کرنے کی تاکید

قرآن کریم نے اعلان فرمایا کہ جو مسلمان کسی ضرورت مند کی سفارش کرتا ہے اسے وہی ثواب ملتا ہے جو ضرورت پوری کرنے والے کو دیا جاتا ہے:

"من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها." (سورۂ نساء)

ترجمہ: جو شخص اچھی سفارش کرے گا تو اُسے اس میں سے اجر ملے گا۔

ایک حدیث میں فرمایا:

"من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته." (بخاری مسلم)

ترجمہ: جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پورے کرنے میں مشغول رہے گا تو خدا تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔

"واللّٰه فی عون عبده ما کان العبد فی عون اخیه." (ترمذی)

ترجمہ: خدا تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک لگا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی حاجت مند حاضر ہوتا تو آپ اپنے رفیقوں سے فرماتے تم بھی اس کی سفارش مجھ سے کرو، تو تمھیں بھی ثواب ملے گا۔ (بخاری کتاب الادب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اشفعوا توجروا۔" (سفارش کرو اور ثواب حاصل کرو) (ابن کثیر بحوالہ صحیحین، ج۱، ص۵۳۱)

مسکین اور بیوہ کی مدد کرنا، جہاد کے برابر ہے

شریعت کی نظر میں جہاد فی سبیل اللہ سب سے بڑی سعادت اور نیکی ہے، لیکن شریعت نے یہ بھی بتایا کہ مسکین اور بیوہ عورت کی مدد کرنا جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل اللّٰه."

ترجمہ: بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

مجلس اور بازار کا حق

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس اور بازار کے آداب بھی وضاحت سے بیان فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"تفسحوا و توسعوا." (مجلسوں میں کشادگی اور وسعت کے ساتھ بیٹھا کرو)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تھے تو جہاں مجلس ختم ہوتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص تعظیم کے طور پر ان کے لیے کھڑا ہوتا تھا تو ابن عمرؓ اس کی خالی جگہ پر ہرگز نہیں بیٹھتے تھے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بازار میں بیٹھا دیکھا تو انھیں بازار میں بیٹھنے سے منع فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: حضور! ہمارے گھر تنگ ہیں، اس لیے ہم باہر نکل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا اگر بازار میں بیٹھا کرو تو بازار کا حق بھی ادا کیا کرو۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

فاعطوا الطریق حقہٗ، فقالوا ماحق الطریق، قال: غضّ البصر و کف الاذیٰ و ردّ السلام و امر بالمعروف ونہی عن المنکر."

(بخاری کتاب المظالم)

ترجمہ: بازار کا حق ادا کیا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، بازار کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نظروں کو نیچا رکھنا، اذیت و تکلیف سے بچنا، سلام کا جواب دینا، بھلی باتوں کا حکم دینا، بری باتوں سے روکنا۔

بخاری کے شارح حافظ ابن عجر رحمۃ اللہ علیہ نے بحر طویل میں راستے میں بیٹھنے کے آداب کو اس طرح نظم فرمایا ہے:

جمعت أداب من مرام الجلوس علی الطریق من قول خیر الخلق انساناً افش السلام و احسن فی الکلام اشمت عاطساً و سلاماً ردّ احساناً

فی الحمل عادن و مظلوماً اعن و اغث لهفان و اهد سبیلاً و اهد حیراناً بالعوف مروانه من انکر و کف اذی و غض فاواکثر ذکر مولاناً

ترجمہ: میں نے راستہ میں بیٹھنے کے آداب کو بہترین خلق انسان (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق جمع کیا ہے، سلام کا جواب دینا، اچھی باتیں کرنا، چھینکنے والے کا جواب دینا، پریشان حال کی فریاد کو سننا، بھولے بھٹکے کو راستہ بتانا، حیران و پریشان کو راستہ بتانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، اذیت اور تکلیف سے بچنا، نگاہوں کو نیچا رکھنا، اپنے مولیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے رہنا۔

جو شخص ان باتوں کی پابندی نہ کر سکے اسے راستوں میں بیٹھنے کا حق نہیں پہنچتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سڑکوں اور بازاروں میں چیخنے اور چلاّنے کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ اس سے راہ چلتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ طریقہ بازاری لوگوں کا ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

"ان اللّٰہ لیکرہ الرجل الرفیع الصوت ویحب الرجل الخفیض من الصوت. (اخلاق محمدی، ج ۱، ص ۶۳)

ترجمہ: خدا تعالیٰ بلند آواز آدمی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ نیچی آواز سے بات کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کا تعمیری پروگرام

دفعہ-۳

اقتصادی جدوجہد

اقتصادی حلقے

(الف) مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔
(ب) کوآپریٹیو سوسائٹی کے ذریعے کاروبار وغیرہ کو فروغ دینا۔
(ج) گھریلو دستکاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

طریقۂ کار

(۱) مسلم فنڈ ان اصولوں اور ضابطوں سے چلایئے جن کا تجربہ مسلم فنڈ دیوبند ضلع سہارنپور نے کیا ہے اور اسے شائع کر دیا ہے تاکہ آپ کی آبادی سود کی لعنت سے نجات پائے اور لوگ مالی بچت کے عادی ہو جائیں جس سے ان کا اور ان کے بچوں کا مستقبل سرسبز ہو سکے۔

(۲) امدادی فنڈ قائم کیجئے۔

(الف) اس کے بنیادی ممبر باہمی اعتماد کے سات یا نو اشخاص بنا کر متفقہ طور سے فنڈ کا ناظم منتخب کیجئے اور ہر سہ ماہی پر پورے حساب کتاب کی جانچ کیجئے اور مشورے دیجئے۔

(ب) ذرائع آمدنی حسب ذیل ہو سکتے ہیں، مثلاً (۱) ماہانہ فیس ممبری (۲) عطیہ یا امانت (۳) فصل یا سیزن یا تہوار یا شادی کے موقع پر کیے ہوئے ہنگامی چندے (۴) زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی اور صدقہ (۵) فنڈ کا دستور العمل، فارم، درخواست وغیرہ کاغذات کی قیمتیں۔

(ج) پورا سرمایہ مثلاً حسب ذیل مدوں میں صرف کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ۱۰ فیصدی: یتیموں، بیواؤں اور معذور لوگوں کی امداد۔

۲۔ ۲۰ فیصدی: مدارس، اسکول، دار المطالعہ اور صنعتی اداروں کی امداد۔

۳۔ ۵ فیصدی: غریب لڑکیوں کی شادی میں امداد۔

۴۔ ۵ فیصدی: مسجد، مسافر خانہ یا اسپتال کی مرمّت، تعمیر یا ترقی۔

۵۔ ۱۰ فیصدی: نادار طلباء کی تعلیمی امداد یا وظیفے۔

۶۔ ۴ فیصدی: لاوارث میّت یا بیچارہ مسافر کی اعانت۔

۷۔ ۶ فیصدی: دینی، اخلاقی اور اصلاحی لٹریچر کی ترتیب و اشاعت۔

۸۔ ۲۵ فیصدی: زیور یا قیمتی سامان کی ضمانت پر بلا سود قرض، دس آسان قسطوں میں وصولی کی شرط پر دینا اور دس مہینوں میں وصول کرنا۔

۹۔ ۱۵ فیصدی: دفتری نظم و ضبط قائم کرنا اور اس کو چلانا۔

(۳) تاجر یا صنعت کار یا پیشہ ور لوگوں پر مشتمل ایسا مالی کارپوریشن بنایئے جو مقامی کاروبار اور تجارت وغیرہ کو اجتماعی کوششوں سے فروغ دے یا اسے کنٹرول کرے۔ نیز جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں اپنی نگرانی میں انتظام کرے۔

(۴) جہاں گھریلو صنعتوں یا چھوٹی دستکاریوں کا رواج ہو، یا آسانی سے چل سکتی ہوں، وہاں امداد باہمی کی سوسائٹی قائم کر کے ان کاموں کو ترقی دیجئے۔ ان کی سرپرستی فرمایئے اور اس میں غریب پسماندہ لوگوں کو کام سکھانے کی فکر کیجئے، مثلاً موم بتّی، اگربتّی، صابن، لفافے، موزے، بنیان اور سوئیٹر وغیرہ۔

(۵) بے روزگار مَردوں، عورتوں اور لڑکوں کو سلائی، رنگائی وغیرہ یا لوہے لکڑی کے مختلف کام یا سائیکل موٹر اور ریڈیو وغیرہ کی مرمّت کے ہنر سکھایئے اور سیکھنے والوں کو بھی سوسائٹی کے منافع سے ایک حصہ دیجئے۔

(۶) ہنرمند لوگوں کو آسان قسطوں پر کچّا مال فراہم کر کے اُنھیں بازار کے کسی مناسب کاروبار میں مشغول کر دیجئے اور اُنھیں خود کفیل بنانے کی سعادت حاصل کیجئے۔

اسلام میں اقتصادی جدوجہد کی اہمیت

اسلام خدا کا آخری اور مکمل دین ہے۔ اس لیے اسلام انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر دَور کی رہنمائی اور ہدایت کا مکمل سامان اپنے پاس رکھتا ہے اور ہر انسان کو دعوت دیتا ہے۔

"اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃ."

ترجمہ: لوگو! اپنی زندگی کو مکمل طور پر اسلام کی رہنمائی میں دے دو۔

انسانی زندگی کے دو دَور ہیں پہلے دَور کا نام مذہب کی اصطلاح میں ''دُنیا'' ہے اور دوسرے دَور کا نام ''آخرت'' ہے۔

اسلام نے زندگی کے دونوں حصوں کے درمیان تعلق پیدا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"الدنیا مزرعۃ الآخرۃ." (دُنیا آخرت کی کھیتی ہے)

مطلب یہ کہ زندگی کے پہلے دَور کی حیثیت زمین کی ہے۔ اس زمین میں جو بویا جائے گا، آخرت کی اچھی یا بری شکل وصورت اسی ثمرہ اور نتیجہ کے مطابق ہوگی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹے سے جملے میں بہت بڑی اور بہت وسیع حقیقت بیان فرمائی ہے۔ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ کھیتی بنیاد اور اساس ہے۔ بنیاد سے نفرت اور بے زاری اور بے تعلقی نہیں رکھی جاسکتی، بلکہ پوری توجہ دے کر کھیتی کو اچھا، عمدہ اور پھل دار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کھیتی پر محنت کی جائے گی اور بیج عمدہ ڈالا جائے گا تو آخرت اسی لحاظ سے شاندار ہوگی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"لا رھبانیۃ فی الاسلام." (ابوداؤد)

ترجمہ: اسلام میں ترکِ دُنیا اور اسباب زندگی سے بے تعلقی جائز نہیں۔

دُنیا سے بے تعلقی (رہبانیت اور جوگ) اسلام سے پہلے رُوحانی ترقی کے لیے ضروری تھی مگر اسلام نے مذہب کے اس ادھورے تصور کو قطعاً مسترد کر دیا۔

مال ودولت زندگی کی اساس ہے

قرآن نے کہا: مال زندگی کے قیام کی بنیاد ہے۔

"ولا تؤتو السّفهآء اَموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیاماً. (آل عمران)

ترجمہ: اور بے وقوفوں کو ان کا مال نہ دو، جسے خدا تعالیٰ نے تمھارے قیام اور بقاء کا ذریعہ بنایا ہے۔

دوسری آیات میں مال ودولت کو "خدا کا فضل" قرار دیا گیا ہے:

"فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض ابتغوا من فضل اللّٰہ."

(سورۂ جمعہ)

ترجمہ: پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم خدا کی زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کا فضل تلاش کرو۔

خدا کے فضل سے مراد، رزق اور روزی ہے، جس کی تلاش کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

کیا دُنیا ملعون ہے؟

یہ زندگی کا پہلا اور موجودہ دَور، مال واسباب، اہل وعیال، کھانے پینے اور پہننے کے سروسامان کا مجموعہ ہے۔ قرآن پاک اسے کہیں "فضل" اور کہیں "خیر" کہتا ہے۔ پھر بعض حدیثوں میں حضورؐ نے دُنیا کو ملعون کیوں قرار دیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مال واسباب اگر صحیح مقصد کے تحت آخرت اور مستقبل کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں خرچ کیا جائے گا تو یہ خیر وفضل رہے گا، البتہ اگر خدا کی دی ہوئی یہ نعمت صرف خواہشاتِ حیوانی کو پورا کرنے اور عیش وعشرت کی تکمیل میں خرچ کی جائے گی تو بلاشبہ "ملعون" اور مردار کے برابر ہوگی۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جس دُنیا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون کہا ہے اس سے مراد "مال حرام" ہے جو ناجائز اور غلط طریقوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

جو لوگ ہر قسم کے مال واسباب اور موجودہ مادّی دُنیا کی ہر چیز پر "**الدنیا ملعونة**" کا اطلاق کرتے ہیں وہ اپنی بے علمی کی وجہ سے اسلام کی روشن تصویر کو بگاڑنے کی نامبارک کوشش کرتے ہیں۔

عیسائیت کا پروپیگنڈہ

مسلمانوں کو تارک دُنیا بنانے کے لیے عیسائی پادریوں نے مدّت دراز تک یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ دُنیا، مال، دولت اور تجارت بہت بری چیزیں ہیں۔ اسلام تو صرف ذکر و شغل اور آخرت کو بنانے پر زور دیتا ہے۔ یہ عیسائی پروپیگنڈہ قرآن و حدیث کے حوالوں کے سہارے کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ جوامع الکلم کے فاضل مؤلف نے لکھا ہے:

''جنیوا میں امیر شکیب ارسلان کی یاد بار بار آتی ہے۔ ایک روز وہ کتابوں کی اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ ایک کتاب میری طرف سرکائی۔ فرمایا اسے دیکھو، میں نے ایک گھنٹہ تک اس کا مطالعہ کیا۔ ساری کتاب قرآن کریم اور احادیث کے حوالوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کا موضوع تھا ''دُنیا کی مذمّت اور آخرت کی فضیلت۔'' امیر ارسلان نے فرمایا، بتاؤ کتاب کے مصنف نے کیا غلطی کی؟ دُنیا کو برطرف کر کے مسلمانوں کو اپاہج بنانا۔ وہ مسکرائے، فرمایا کہ برطانیہ کی کیتھولک سوسائٹی کی طرف سے یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔ اور ایک پادری جسے میں خوب جانتا ہوں اس کا مصنف ہے۔'' (جوامع الکلم)

سیّد رشید رضا لکھتے ہیں:

''اسلام کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، دُنیا اور دین۔ اگر دُنیا کا پہیہ ٹوٹ گیا تو دین کا پہیہ کچھ کام نہ دے گا۔ قاہرہ کے قریب ایک بستی میں ایک عیسائی پادری قرآن کریم کی تلاوت بڑی خوش الحانی کے ساتھ کرتا تھا اور مسلمانوں سے کہتا تھا کہ مجھے اسلام کی تعلیم یوں پسند ہے کہ وہ دُنیا پر توجہ نہیں دیتا۔ وہ صرف ذکر و فکر، مراقبہ اور تسبیح و تہلیل پر سارا زور خرچ کرتا ہے۔ دُنیا میں دُنیا دار بہت ہیں۔ صرف اسلام ہے جس نے مسلمانوں کو دُنیاوی معاملات میں انہماک سے روکا ہے۔ اتفاق سے ایک دن میرا گزر اس بستی سے ہوا۔ پادری لیکچر دے رہا تھا۔

جب اُس نے اپنا لیکچر ختم کیا تو میں نے اس کی دسیسہ کاریوں کی پول کھولی اور مسلمانوں کو بتایا کہ اسلام دُنیا اور دین کے بارے میں کیا کہتا ہے۔"

(سیّد رشید رضا مصری، المنار، ۳۰ جنوری ۱۹۲۹ء)

اَلدُّنیَا لَمَحمُودَۃ

حدیث کی مشہور کتاب "کنز العمال" کے مؤلف محترم نے "پسندیدہ دُنیا" کا عنوان قائم کر کے اس کے ذیل میں حسب ذیل اقوالِ صحابہؓ نقل کیے ہیں۔

(۱) حضرت ابو امام باہلیؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے نقل کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"دینک لمعادک و درھمک لمعاشک و لاخیر فی امرئ بلادرھم."

ترجمہ: تیرا دین تیری آخرت بنانے کے لیے ہے اور تیری دولت (درہم) تیری معاشی زندگی بنانے کے لیے ہے۔ اور اس شخص کے پاس بھلائی نہیں جو روپے پیسے سے محروم ہے۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کسی شخص نے دُنیا کو برا کہا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا: جو شخص سچائی کی زندگی اختیار کرے۔ اس کے لیے دنیا "دارِ صدق" ہے جو اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اس کے لیے "دارِ نجات" ہے جو اس میں زادِ راہ جمع کرے، اس کے لیے "خوشحالی" کا مقام ہے۔

"مھبط وحی اللّٰہ و مصلّی ملائکتہٖ و مسجد انبیائہٖ و متجر اولیائہٖ."

ترجمہ: یہ دُنیا خدا کی وحی نازل ہونے کا مقام ہے۔ فرشتوں کے رحمت نازل کرنے کی جگہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے اور اولیاء حق کے تجارت کرنے کا مقام ہے۔

(۳) حضرت علیؓ کا دوسرا ارشاد گرامی ہے:

"خیارکم من لم یدع آخرتہ لدنیاہ و لا دُنیا لآخرتہٖ."

ترجمہ: تم میں بہتر وہ شخص ہے جو آخرت کو دُنیا کی وجہ سے نہیں چھوڑتا اور نہ دُنیا کو آخرت کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔

(۴) حضرت حذیفہؓ کا ارشاد گرامی ہے: تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو دُنیا کو آخرت کے لیے اختیار کرتے ہیں، اور آخرت کو دُنیا کے لیے اپناتے ہیں۔

مطلب یہ کہ دُنیا بالذات بری نہیں، بلکہ وہ دُنیا بری ہے جس میں مشغول ہو کر انسان آخرت کو بالکل بھول جائے اور دین و اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے۔

(کنز العمال، جزء ثالث، ص ۴۱۷، مطبوعہ حیدر آباد، دکن

فقر و قناعت کا صحیح محل و مقام

''دَورِ اوّل'' صحابہ کرامؓ کا دَور تھا اور نورِ نبوت سے قریب ہونے کی وجہ سے اس دَور کے مسلمانوں میں بے پناہ اخلاص اور جذبۂ ایمانی کارفرما تھا۔ وہ حضرات بھوک پیاس اور فقر و فاقہ کے اندر بھی اسلام و ایمان پر پوری طمانیت اور مکمل فخر و عزت کے ساتھ قائم رہتے تھے، لیکن اب ہم نورِ نبوت سے بہت دُور ہو چکے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آخری دَور کی نزاکتوں کا پورا پورا احساس تھا۔ آپ جانتے تھے کہ دَورِ آخر کے مسلمان فقر و فاقہ کی آزمائش میں دَورِ اوّل کے مسلمانوں کی طرح ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ اس لیے ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے لیے مالی خوش حالی کی پوری کوشش کریں، تاکہ فقر و افلاس ان کے لیے فتنہ نہ بنے اور وہ اطمینان قلب کے ساتھ خدا کے احکام پر عمل پیرا رہیں۔

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی خوش حالی کو دَورِ آخر کے مسلمانوں کے لیے سعادت فرمایا۔ حدیث پاک میں ہے:

"ان الفاقة لاصحابی سعادة و ان الغناء للمومن فی آخر الزمان سعادة. (کنز العمال ابن مسعودؓ، ج ۳، حیدر آباد، دکن)

ترجمہ: فقر و فاقہ میرے ساتھیوں کے لیے سعادت ہے اور آخر زمانے میں مالداری مومن کے لیے خوش نصیبی اور سعادت ہوگی۔

اسی کے ساتھ ایک حدیث میں فرمایا:

"نعم العون علی تقوی اللّٰہ المال." (کنز العمال عن جابرؓ، ج ۳)

ترجمہ: تقویٰ اور پرہیز گاری کا بہترین مددگار مال اور پیسہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات گرامی سے معلوم ہوا کہ ہم مسلمان آج اس دَور سے گزر رہے ہیں جس دَور میں ایمان واسلام پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم کسی کے محتاج نہ ہوں اور روپے پیسے اور معاش کے معاملات میں اپنے قدموں پر کھڑے ہوں تا کہ ایک طرف ہماری باعزّت زندگی سے ہمارے مذہب کا وقار بلند ہو اور دوسری طرف ہم اپنے ضرورت مند بھائیوں کی مدد کر کے ان کے دین وایمان کو خطرات سے بچائے رکھیں۔

رسول پاکؐ نے کسبِ معاش کا طریقہ سکھایا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر کبھی آپ نے کسی پریشان حال مسلمان (معاذ ابن جبلؓ) کو غم دُنیا سے نجات پانے کے لیے کوئی دعاء تعلیم فرمائی تو اسی کے ساتھ ایک انصاری مسلمان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم بازار سے ایک کلہاڑی خرید لاؤ، پھر حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا دستہ ڈالا۔ اور ان صحابی کو جنگل سے لکڑیاں کاٹنے اور پھر بازار میں فروخت کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا: میں تمھیں پندرہ دِن تک یہاں نہ دیکھوں، پندرہ دن کے بعد وہ صحابی خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس پندرہ درہم موجود تھے۔ آپ نے ان درہموں اور تجارت کے نفع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ تیرے لیے بہتر ہے، سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے۔'' (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندوں کو، صرف دعائیں تعلیم نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ دعاؤں کے ساتھ ساتھ محنت، کسب اور معاش کے طریقے اور ڈھنگ بھی بتایا کرتے تھے۔

تجارتی سوسائٹی اور مشترک تجارت

مشترک کاروبار اور مشترک تجارت، کامیاب تجارت کا اہم راز ہے۔ اس مشترک تجارت سے آج کی دُنیا بہت فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ مشترک سوسائٹی لمیٹڈ کمپنی، صنعتی کارپوریشن، سب اسی مشترک تجارت کی مختلف شکلیں ہیں۔ جو بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آج سے تیرہ سو سال پہلے مشترک تجارت کی کامیابی

کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور لوگوں کو ترغیب دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص انداز میں فرمایا:

"انّ اللّٰہ تعالیٰ یقول انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھما وجاء الشیطان. (ابوداؤد عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ: خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب دو آدمی مل کر کام کرتے ہیں تو ان میں تیسرا میں شریک ہوتا ہوں جب تک وہ خیانت نہیں کرتے، ہاں، جب ان میں سے کوئی خیانت کرتا ہے تو پھر میں درمیان سے نکل جاتا ہوں اور وہاں شیطان آجاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اچھے انداز سے یہ بات سمجھائی کہ جب دو آدمی ایمانداری کے ساتھ تجارت کرتے ہیں تو اس تجارت میں زبردست کامیابی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس تجارت میں تیسرا فریق خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور کسی تجارت میں خدا کا شریک ہونا، کامیابی کی اس سے بڑی ضمانت اور کیا ہوسکتی ہے۔

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ مشترک تجارت کرنے کے معاملہ میں مسلمان سب سے پیچھے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر نہ باہمی اعتماد پیدا ہوتا اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کی معمولی کمزوریوں کو برداشت کرتے ہیں۔

ذرا ذرا سی بات پر بدگمان ہوجانا اور بنے بنائے کام کو بگاڑ لینا، یہ ہماری عادت میں داخل ہوگیا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کاروباری مسلمانوں اور کاری گر طبقہ کو دعوت دیتی ہے کہ مل جل کر سوسائٹیاں بنائیں اور مشترک کاروبار کے فائدے حاصل کریں۔ اس سلسلے میں جمعیۃ علماء کے کارکنوں کو اپنے اپنے حلقوں میں مختلف کام کرنے والے کاری گروں کو منظم کرنا چاہیے۔ یہ اس دور کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

غلط توکّل کی مذمّت!

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے 'احیاء العلوم' میں توکل کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسب معاش اور تجارت و زراعت کی جدوجہد سے کنارہ کش ہوکر دوسروں کی خیرات پر نظر

رکھنا توکل نہیں ہے۔

توکل کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے حکم کے مطابق کسب معاش کے لیے بھرپور کوشش کی جائے اور کوشش کے بعد نفع ونقصان کی جوصورت بھی پیش آئے، اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے یقین کر کے صبر وشکر اختیار کرے۔

امام غزالیؒ نے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ مسجد نبوی کی طرف سے گزرے اور دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ بے وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کسی نے جواب دیا: ''هُمُ الْمُتَوَكِّلُوْن'' (یہ لوگ توکل کرنے والے ہیں) حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''لا، بل هم المتاكلون'' (نہیں، بلکہ یہ لوگ مفت کا کھانے والے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ دین کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ تبلیغ ودعوت کے ساتھ ساتھ نماز، روزہ کے ساتھ ساتھ کسب معاش کی کوشش کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

تجارت کے نفع سے حضورؐ کی خوشی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت میں صحابہ کرامؓ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور جب کوئی صحابی تجارت میں نفع کما کر لاتا تھا تو آپ اس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ حضرت عروۃ العارفی کا بیان ہے کہ حضورؐ نے مجھے ایک بکری خریدنے کے لیے ایک دینار (اشرفی) عنایت فرمائی۔ میں نے اس اشرفی سے دو بکریاں خریدیں، اور ان میں سے ایک بکری کو دو گنے نفع کے ساتھ ایک اشرفی میں فروخت کر دیا۔ اور ایک اشرفی نقد اور ایک بکری لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نفع کی تجارت سے بہت خوش ہوئے، اور عروہ کے حق میں دعاء کی۔

''بارك الله في صفقة يمينك.''

ترجمہ: خدا تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے لین دین میں برکت عطا فرمائے۔

اس دعاء کا نتیجہ تھا کہ عروہؓ کوفہ کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔

اسلام میں ذریعہ معاش کی تبدیلی

ایک دفعہ حضرت نافعؒ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اُمّ المومنین! اب تک تو میں اپنا سامانِ تجارت شام اور مصر لے جایا کرتا تھا، لیکن اب اسی سلسلے میں میرا ارادہ عراق جانے کا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ایسا مت کرو، تمھیں تو کوئی ایسی بات درپیش نہیں آئی جس کی بنا پر تم اپنی پرانی منڈیوں کو چھوڑ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کسی جگہ اور کسی ذریعہ سے رزق دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس جگہ اور اس ذریعہ کو اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک کہ ناخوشگوار حالات پیش نہ آئیں اور اسے نقصان وخسران کا سامنا کرنا نہ پڑے۔

(جمع الفوائد ج ۱، ص ۶۴۲)، مطبوعہ دار التالیف مدینہ منورہ)

اسی مفہوم کی ایک دوسری روایت ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ذریعہ روزی دے تو وہ اسے بلاوجہ چھوڑ کر دوسری چیز اختیار نہ کرے۔ (تاریخ کبیر بخاری، ج ۴، قسم ۲، ص ۸۵)

مذکورہ بالا دو حدیثوں کے ذریعہ ہمیں اس سلسلہ میں ایک یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر کسی کو اپنی حاجت وضرورت کے مطابق کہیں بھی کسی تجارت، ملازمت، محنت وغیرہ کے ذریعہ روزی مل رہی ہے تو بلاوجہ دولت کی حرص اور مال کے لالچ میں آ کر اس جگہ یا اس کام کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسی جگہ اس کام میں رہ کر اس کام کو زیادہ سے زیادہ مفید، بہتر اور اپنے حق میں راحت رساں بنانے کی جدوجہد جاری رکھے۔ کیونکہ اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ دوسرا راستہ اس کے لیے پہلے راستہ سے زیادہ آسان، سہل، نفع بخش اور مفید ہو، ویسے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسا کرنے والے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور اپنی پہلی جگہ اور پہلے کام کے لیے پچھتاتے ہیں۔ البتہ اگر پہلے ذریعۂ معیشت سے اچھی طرح گزر بسر نہیں ہو رہا ہو یا اس میں اسے ناکامی ہو یا وہ اس کے لیے مسلسل گھاٹے اور نقصان یا کسی ضرر و تکلیف کا سبب بن رہا ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات میں دوسرا ذریعہ اختیار

کرنے کی اجازت دی ہے، مگر یہ اگلا قدم اسے پوری دانشمندی اور سمجھ بوجھ کے ساتھ اُٹھانا چاہیے۔ اس موقع پر اسے یہ بھی چاہیے کہ اپنے بہی خواہوں اور اصحابِ عقل و تجربہ سے مشورہ بھی لے اور جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ پوری دیانت کے ساتھ مشورہ دے، جیسا کہ حضرت نافع نے حضرت عائشہؓ سے مشورہ لیا، اور انھوں نے ان کی صحیح رہنمائی فرمائی!

اسلام میں معاشی ترقی اور معاشی انصاف

نوعِ انسانی کی بربادی، تفریق اور نفرت و عناد کا ایک بڑا سبب معاشی ناہمواری اور اقتصادی اُونچ نیچ بھی ہے۔ اس نابرابری نے انسان کو انسان کا دشمن بنا رکھا ہے۔ انسانی اخوت اور انسانی اتحاد کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ اس ناہمواری نے انسانی برادری کے درمیان نفرت و عناد کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک انسان اس قدر دولت مند کہ عیش و راحت اس کے گھر کی لونڈی بن جائے اور ایک انسان اس قدر مفلوک و مفلس اور نادار کہ اس کی زندگی حیوانات سے بدتر ہو تو ایسی غیر فطری نابرابری کے ہوتے ہوئے ان دونوں انسانوں کے درمیان انسانی بھائی چارہ اور تمدنی تعاون کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کی دوسری خرابیوں کو دُور کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی اتحاد اور انسانی ترقی کی راہ میں اس سب سے بڑی رُکاوٹ کے خلاف بھی مضبوط اقدامات فرمائے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت دُنیا کی قومیں معاشی اور اقتصادی نابرابری کے کس ہولناک دَور سے گزر رہی تھی، پہلے اس پر ایک نظر ڈالیے۔

دُنیا کے کروڑوں عوام شہنشاہی حکومتوں کے سرمایہ دارانہ نظام کے معاشی ظلم و جبر سے تنگ آئے ہوئے تھے اور حیوانوں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔

مذہبی کتابیں اپنے اپنے دَور کی رہنمائی کا فرض انجام دے کر خاموش ہو چکی تھیں۔

عیسائی دانشور لارڈ اسٹامپ کا قول

عیسائی دانشور لارڈ اسٹامپ کے قول کے مطابق ''قریب تر عہد کی مذہبی کتاب'' انجیل مقدس عیسائی عوام کو معاشی امور میں رہنمائی دینے میں ناکام رہی تھی اور عیسائیت کا علمبردار قیصر روم، مٹھی بھر جاگیرداروں کی مدد سے غریب عوام کا خون چوس رہا تھا۔

(عیسائیت اور معاشیات از لارڈ اسٹامپ)

اور حقیقت یہ ہے کہ انجیل مقدس نے اپنے دَور کے لحاظ سے صرف یہ کیا کہ دولت مندوں کی مذمّت کی اور دولت مندی اور زر پرستی کے خلاف کچھ اخلاقی نصیحتیں فرمائیں۔

رہا ایک باقاعدہ مکمل معاشی قانون کا معاملہ، تو اس اہم کام کو انجیل کے ہادی حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد فاران سے اُتر کر آنے والے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔

عیسائیت کے علاوہ فارس کی مجوسیت اور فارس کے مذہبی پیشوا زرتشت کی تعلیم (ژند اور اوستا) کسریٰ کی شہنشاہیت اور اس کے معاشی استبداد سے فارسی عوام کو نجات دلانے کے لیے اپنے پاس کوئی نظام نہیں رکھتی تھی۔

فارس میں معاشی نابرابری کے خلاف مزدور کی تحریک نمودار ہوئی، لیکن یہ تحریک توازن اور معقولیت سے محروم تھی۔ اس تحریک کی بنیاد دولت مندوں اور زر پرستوں کے خلاف نفرت اور حسد پر قائم تھی اور یہی سبب تھا کہ اس تحریک نے اخلاقی حدود کو بالکل پامال کر دیا تھا اور تقسیم اور مساوات میں دولت کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔

مزدک تحریک کے لیڈر نے بھرے دربار میں شہنشاہِ ایران سے کہہ دیا تھا کہ یہ آپ کی ملکہ صرف آپ کی نہیں بلکہ اس میں ہر ضرورت مند کا حق شامل ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آتش پرست ایران میں جنسی اباحیت نے حقیقی بہنوں اور صلبی بیٹیوں تک کو مباح کر رکھا تھا اور غالباً یہی وہ گمراہی تھی جس کی وجہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایرانیوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کو ترجیح دیتے تھے۔

ہزاروں برس پرانی مذہبی کتاب ''وید'' کے اندر بھی نئے معاشی مسائل کا قابلِ اطمینان

حل تلاش کرنا بے سود تھا۔ آج بھی ہندو شاستروں میں چند اخلاقی نصیحتوں کے علاوہ کوئی جامع معاشی دستور موجود نہیں ہے، بلکہ ''منوجی'' کے قانون نے سود کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور دولت کو پھیلانے کے بجائے مشترک خاندان کے نام سے دولت جمع کرنا جائز قرار دے رکھا ہے۔'' (اسلام اور تھیا کریسی)

ان تاریک حالات میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم انسانیت کی معاشی اور اقتصادی نجات کا پیغام دُنیا کے سامنے رکھا اور دُنیا معاد و آخرت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاش اور معیشت کے سدھار کیلئے اپنے اندر جو طلب رکھتی تھی وہ طلب آپ نے پوری فرمائی۔ قرآن حکیم اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ معاشی انصاف کا جو نظام پیش کرتا ہے وہ اپنی جگہ مکمل بھی ہے، متوازن اور فطری بھی!

معاشی انصاف کیلئے فرد اور حکومت دونوں ذمہ دار

اسلام کہتا ہے کہ ہر انسان فطری طور پر جو معاشی حقوق رکھتا ہے، ان حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری سماج کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے اور فرد کے ساتھ ساتھ حکومت بھی اس کی ذمہ دار ہے کہ کسی انسان کے معاشی حقوق برباد نہ ہوں۔ اسلام فرد کے ساتھ حکومت کو معاشی انصاف قائم کرنے اور افراد کو ان کے معاشی حقوق بہم پہنچانے کا اس لیے ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ اگر سماج کا ایک ایک فرد ایثار و تعاون سے کام لے، یہاں تک کہ اپنی ذاتی دولت کو عوام میں تقسیم کر کے خود مفلس و غریب ہو جائے، مگر دولت حاصل کرنے اور اسے صرف کرنے کا مرکزی ادارہ (حکومت) معاشی انصاف قائم رکھنے اور دولت کی مناسب تقسیم کا انتظام نہ کرے تو تنہا افراد کے ایثار سے سماج میں معاشی رفاہیت اور اقتصادی اعتدال پیدا نہیں ہو سکتا۔

اشتراکی تحریک کے آغاز میں اشتراکیت پسندوں نے فرانس میں یہ کوشش کی تھی کہ وہ نظامِ حکومت کو بدلے بغیر محض اپنے طور پر کارخانہ داری کو نئے اصولوں پر ڈھال لیں اور

مزدوروں کو ان کے تمام جائز حقوق بہم پہنچا دیں لیکن یہ تجربہ قوت اور دولت کے صرف کثیر کے باوجود کامیاب نہ ہوا اور اس کے بعد اشتراکی تحریک کو نظامِ حکومت میں انقلاب لانے کی طرف پوری طاقت سے مشغول ہونا پڑا۔

پس اگر حکومت کا نظام سرمایہ پرستی کے اصولوں پر چلتا رہے اور تنہا افراد معاشی انصاف کے لیے ذاتی ایثار سے کام لیں تو اس سے معاشی عدل قائم ہونے کی توقع رکھنا فضول بات ہے۔

معاشی عدل کے لیے خلافت کی ذمّہ داریاں

اسلام نے حکومت پر سماج میں معاشی عدل قائم کرنے کے لیے جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں، یہاں ان کی تفصیل پیش کرنا مقصود نہیں۔ صرف اجمالی طور پر ان ذمّہ داریوں کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

(۱) بیت المال (مرکزی خزانہ)

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے سرکاری خزانہ (بیت المال) میں زکوٰۃ، صدقات، عشر، جزیہ اور دیگر ٹیکسوں کی رقوم پوری تندہی سے وصول کر کے جمع کرے اور پھر ان قوم سے سرکاری مصارف اور رفاہِ عام کے جملہ کام انجام دے۔

فرد کے ذمّہ والدین، اہل وعیال، رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں اور ضرورت مندوں کے جو معاشی حقوق واجب ہیں ان کا دائرہ بہر حال محدود ہے۔ اور ان کا نتیجہ اس وقت نکل سکتا ہے جب حکومت کی طرف سے بھی دولت کی تقسیم کا صحیح انتظام ہو۔ انفرادی خیر خیرات، ایثار اور تعاون تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہیں جو حکومت کے رفاہِ عام کی اسکیموں کے باوجود کسی نہ کسی طرح رہ جاتی ہے۔

اس لیے اسلام افراد کو ایثار و امداد کی تاکید و تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کی سیاسی طاقت کو مکمل طور پر اپنے اثر میں لینے کی کوشش کرتا ہے اور ملک میں ایک ایسا ''نظامِ عدل'' قائم کرتا ہے جو عوام کے ذاتی ایثار کو اپنے ساتھ لے کر دولت کے سرکاری مصارف میں سادگی اور احتیاط رکھنا حکومت کی خاص ذمّہ داری ہے۔ قانونِ شریعت نے خلیفۂ وقت کو تاکید کی ہے:

ولایدع فقیراً ولایته الا اعطاه ولامدیونا الا قضیٰ منه دینه، ولا ضعیفاً الا اعانه ولا مظلوماً الا نصره، ولا ظالماً الامنعه من الظلم ولا عاریا الاکساه کسوة."

ترجمہ: یعنی خلیفۂ وقت اپنی مملکت کے حدود میں کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے، کسی قرضدار کو مقروض باقی نہ رکھے، کسی کمزور کو بے سہارا نہ رہنے دے، مظلوم کو دادرسی سے محروم نہ رکھے، نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور نہ کسی ننگے کو لباس سے محروم رہنے دے۔

(۲) وسائل معیشیت کی توسیع و ترقیٰ

سماج میں معاشی خوش حالی پیدا کرنے کے لیے ہر مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ معیشت اور روزگار کے وسائل کی توسیع اور ترقی پر پوری توجہ دے، اور معیشت کے بنیادی وسائل، زراعت (کھیتی باڑی) صنعت وحرفت اور تجارت کی طرف سے نہ تو غفلت اختیار کی جائے اور نہ ان وسائل پر ایک محدود طبقہ کی اجارہ داری قائم ہونے دی جائے۔

(۱) زراعت

کائنات کے حقیقی مالک نے انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

اَفَرَاَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَه اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ، لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَاماً فَظَلْتُمْ تَفَکَّهُوْن. (سورۂ واقعہ)

ترجمہ: اے انسانو! بتاؤ کہ تم جو کھیتی کرتے ہو، تو تم اس کی پیداوار بناتے ہو، یا ہم بناتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ کھیتی باڑی کرنے والے کسان کی محنت کو بارآور کرنے، اور آسمان سے پانی برسا کر، سورج کی شعاعوں سے گرمی پہنچا کر، زمین کی صلاحیت سے بیجوں کو طاقت پہنچا کر کسانوں کی جدوجہد کو نتیجہ خیز کرنے والا کون ہے؟

وہ خدا ہی کی ذات ہے جو کسان کی محنت کو منزلِ مقصود پر پہنچاتی ہے۔ تو جو انسان اس مالک حقیقی کی ہدایات کو نظر انداز کر کے اپنی پیداوار سے نفع اندوزی کرتا ہے، اور بندگانِ الٰہی کو تکلیف دیتا ہے، تو وہ اس مالک کے احسانات کو فراموش کرتا ہے۔

مالک حقیقی نے کسان کی محنت اور اس کے بیجوں کو سینکڑوں گنا اضافہ کے ساتھ بڑھا کر

اس کی کھلیانوں کو اسی لیے بھرا ہے کہ وہ اپنی محنت پر مناسب نفع کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں کی خدمت پر بھی نظر رکھے۔ عوام کے فوائد کو بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

اسی آیت میں کھیتی باڑی کرنے کی ترغیب بھی ہے اور کسانوں کو اس بات کی ہدایت بھی ہے کہ وہ ناجائز نفع اندوزی نہ کریں۔

زراعت کی ترغیب دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُطلبوا الرزق فی خبایا الارض. (منبع الفوائد، ج ۴)

ترجمہ: لوگو! رزق اور روزی کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

علماء اسلام نے لکھا ہے کہ اس سے زراعت اور کھیتی مراد ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الزراعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

ما من مسلم یغرسُ غرساً اَوْ یزرعُ زرعاً فیاکل منه طیرٌ او انسان او بهیمة الا کان له به صدقة. (بخاری، ج ۱، ص ۳۱۲، مجتبائی)

یعنی جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے، انسان اور مویشی اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔

علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ کھیتی کرنے والا اجر وثواب کی نیت کرے یا نہ کرے، ہر حالت میں اسے ثوابِ آخرت ملے گا، کیونکہ **لوسعته علی الناس فی اقواتهم** (اس عمل سے مخلوقِ خدا کی روزی میں اضافہ ہوتا ہے۔) (شرح بخاری لعینی ج ۵، ص ۱۱۷)

فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ کھیتی ایسا عمل خیر ہے جس پر مسلم اور غیر مسلم دونوں کو ثواب ملتا ہے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے امام سرخسیؒ اپنی مشہور کتاب "المبسوط" میں کہتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"عَمِّرُوا بلادی فعاش فیها عبادی"

ترجمہ: یعنی میری بستیوں کو آباد کرو تا کہ میرے بندے اس میں زندگی بسر کریں۔

فلهٰذا قلنا هٰذا الفعل حسن من کل احدٍ

(مبسوط، ج ۲۳، کتاب المزارعت)

یعنی اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ عمل زراعت، ایک عمل خیر ہے، خواہ کوئی بھی کرے۔

یہی علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ''جرف'' میں خود بھی کھیتی فرمائی ہے۔

کھیتی، تجارت اور صنعت، ان تینوں وسائل میں معاش میں کون سا وسیلہ زیادہ افضل اور زیادہ ثوابِ آخرت رکھتا ہے؟

اس کا فیصلہ علمائے اسلام نے اس طرح کیا ہے:

''عوام کی ضرورت اور احتیاج کے لحاظ سے ان تینوں وسائل کے درمیان افضلیت قائم ہوتی ہے۔ جس وقت لوگوں کو خام اجناس، غلہ اور چارہ کی ضرورت ہوگی اس وقت کھیتی کرنا زیادہ افضل ہوگا۔ اور جس وقت صنعت اور حرفت کی ضرورت زیادہ ہوگی اس وقت صنعت کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اسی طرح تجارت کا معاملہ ہے۔ پس اصل سوال رفاہِ عام اور لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنے کا ہے۔ اس پر فضیلت کا دارومدار ہے۔ (عینی ج ۵، ص ۱۶۷)

فقہائے اسلام نے زراعت کے حکم کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے اسے ''فرض کفایہ'' قرار دیا ہے یعنی قوم کے ایک طبقہ کے لیے زراعت کرنا مذہبی فریضہ ہے اگر ایک طبقہ اس کام میں مشغول نہ ہوگا تو پوری قوم گناہ گار ہوگی۔

کاشتکاروں پر خصوصی توجہ

اسلام نے اگرچہ تینوں قسم کے وسائل کو توسیع و ترقی کے لیے نظامِ خلافت اور عام افراد دونوں کو ہدایت کی ہے، لیکن ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشت کاروں کے حالات پر نظر رکھنے کی خاص تاکید فرمائی ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب المزارعت میں ابوامامہ باہلیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ کھیتی باڑی کے کچھ آلات دیکھ کر فرمایا:

''لایدخُل هٰذا بیت قومٍ الّا اَدْخله اللّٰه الذُّلَّ. (بخاری، ج ۱، ص ۳۱۲)

ترجمہ: کھیتی باڑی کے یہ آلات کسی گھر میں داخل نہیں ہوتے مگر اس گھر میں ذلت داخل ہو جاتی ہے۔

اس ارشادِ گرامی کی دوسری تشریحات کے علاوہ مشہور محدث ''ابن متین'' نے جو توجیہہ

کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی میں دراصل ایک پیشین گوئی بیان کی گئی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ کاشتکار طبقہ سماج میں بہت ذلیل اور مظلوم بن جائے گا۔ (عینی ج ۵، ص ۱۲۷)

چھٹی صدی ہجری کے یہ محدث اپنے دَور کے حالات کی روشنی میں فرماتے ہیں:

"لان المشاهدة الآن ان اكثر الظلم انما هو على اهل الحرث."

یعنی آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ سب سے زیادہ ظلم و زیادتی کا شکار کھیتی باڑی کا کام کرنے والے کاشتکار ہیں۔

یہ وہ دَور ہے جب مسلمانوں میں عجمی ملوکیت اور جاگیرداری کا نظام اپنے شباب و عروج پر پہنچ گیا تھا۔ اور جمہوریت عادلہ کے آثارِ زندگی کسی شعبہ میں موجود نہ رہے تھے۔

اس دَور میں ایک محدّث نے مسلم حکمرانوں اور مسلم عوام کو اسلام کے معاشی عدل اور اس کے داعی رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی اور اقتصادی بصیرت کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے یہ بتایا کہ اسلام کا معاشی نظامِ عدل ہی نوعِ انسانی کی عام خوشحالی کا کفیل بن سکتا ہے کیونکہ اس کے داعیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی دُور رَس نگاہوں نے ہر طبقۂ انسانیت، مزدور و آقا اور کاشتکار اور خریدار، سب کی حالت کا گہرا تجزیہ کر کے اس نظام کو ہر قسم کے افراط و تفریط اور غیر فطری انتہا پسندی سے محفوظ رکھا ہے۔

سماج انسانی کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو آج سے چودہ سو سال پہلے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ بصیرت کے سامنے موجود نہ ہو اور اس کی ضروریات آپ کے علم میں نہ ہوں۔

اس لیے نوعِ انسانی کو معاشی ناہمواری کی ہلاکت خیز پریشانیوں سے بچانے کے لیے اسلام کے معاشی نظامِ عدل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

(۲) تجارت

تجارت دوسرا وسیلۂ معاش ہے۔ قرآن کریم تجارت کے ذریعہ کسب معاش کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے:

"فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ."

(سورۂ جمعہ)

ترجمہ: جب نماز پوری ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل تلاش کرو۔

خدا کے فضل سے مراد ''خدا کا رزق'' ہے اور آیت کے شانِ نزول کے لحاظ سے ''تلاشِ رزق'' میں تجارت کی ترغیب دی گئی۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں فرمایا:

''یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ.

ترجمہ: مسلمانو! خرچ کرو پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

''پاک کمائی'' مالِ تجارت کو کہا گیا ہے۔ امام مجاہدؒ کی یہی تفسیر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشھداء.

(ترمذی ابواب البیوع، ج ۱، ص ۱۴۵ مجتبائی)

ترجمہ: سچا اور امانت دار تاجر، رسولوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

''التاجر الامین'' کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تاجر دوسرے کے مال میں دھوکہ اور خیانت نہ کرے۔

دوسرا مطلب یہ کہ وہ تاجر اپنے مال و دولت میں اپنے آپ کو امین سمجھے اور اصل مالک خداوند عالم کو یقین کرے، اپنے مال کو خدا کی امانت جاننے والا ہمیشہ اصل مالک کی ہدایت کو سامنے رکھے گا۔ صرف نفع اندوزی اور اس سے اپنا ذاتی تعیش اس کے پیش نظر نہ رہے گا۔

حکومت کی طرف سے اگر قیمت پر کنٹرول کیا جائے گا یا مزدور اور کاریگر کو ضروری سہولت دینے اور اس کا حق محنت اس کے پاس پہنچانے کے لیے مناسب قانون نافذ کیے جائیں گے تو وہ ان پابندیوں سے بگڑ کر اپنے کاروبار میں سے اپنا سرمایہ نہیں کھینچے گا۔ بلکہ اپنے آپ کو صرف ایک امین جانتے ہوئے کم نفع پر ہی اپنا کاروبار چلاتا رہے گا۔ اس تاجر کا خدا کے ہاں بڑا درجہ ہے، وہ نبی اور صدیق کے ساتھ ہوگا۔ اس سے بڑا اور کیا درجہ ہو سکتا ہے؟

یہ سب سے بڑی ترغیب ہے جو تجارت کو بڑھانے اور اس میں سرگرم جدوجہد جاری رکھنے کے لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی ہے۔

تجارت کی فضیلت کے لیے یہ بات کچھ کم نہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

تجارت سے اپنی زندگی کا آغاز فرمایا۔ آپ بصرہ کی منڈی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے کر گئے اور خرید و فروخت فرمائی۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اور آپ کی ایک دوکان مدینہ منورہ (سلخ) میں موجود تھی۔

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی تجارت ایران تک وسیع تھی۔ حضرت زبیرؓ بھی کپڑے کے تاجر تھے اور شام سے کپڑا منگایا کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ حبشہ کے شاہ نجاشی اور اس کے درباریوں سے تجارت کرتے تھے۔

(۳) صنعت و حرفت

یہ معیشت کا تیسرا وسیلہ ہے اور تجارت کا اسی پر دارومدار ہے۔ اسلام نے دستکاری کی بھی بڑی فضیلت بیان کی ہے اور پیشوں اور دستکاریوں میں جو چھوٹے اور بڑے کی تمیز چلی آ رہی تھی، اس کی تردید فرمائی۔

سوال کیا گیا ''افضل الکسب یا رسول اللہ'' حضورؐ! بہترین کمائی کونسی ہے؟

آپ نے فرمایا ''عمل الید'' (دستکاری بہترین کسب ہے) سماج میں بعض پیشوں کو عزیز اور بعض کو حقیر خیال کیا جاتا ہے، رسولِ پاکؐ نے اس خیال کو دُور کرتے ہوئے فرمایا ''ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کمائی نہیں، حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کی زرہیں بنا کر گزارہ کرتے تھے۔

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا کے اہم پیشوں اور بنیادی صنعتوں کی ایجاد انبیائے کرام کے ہاتھوں ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کرنے اور کپڑا بننے کی صنعت جاری فرمائی۔ حضرت ادریس علیہ السلام خیاطی یعنی درزی کا کام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے (لوہاری) کا کام کرتے تھے، اور فولاد کی زرہیں بنایا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی اور نجاری کا کام کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پنکھے بنتے تھے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت پر قوم کی بکریاں چرائیں۔ تجارت بھی کی، اور آپ نے کھیتی بھی فرمائی۔

بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت بہشتی بھی تھے اور دباغ بھی۔

غرضیکہ روزی حاصل کرنے کے ان تینوں طریقوں کی اسلام نے ہر ممکن اور مؤثر انداز سے ترغیب دی اور تحصیل معاش کے لیے کوشش کو عبادت میں داخل فرمایا تاکہ سماج میں معاشی رفاہیت اور خوشحالی کا دور دورہ رہے۔

احتکار اور سود کی حرمت

اُوپر بتایا گیا کہ اسلام مسلمانوں کو زراعت وصنعت کی طرف توجہ کرنے کا اس لیے حکم دیتا ہے کہ بندگانِ الٰہی کے لیے زندگی کی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ تاجر اور صنعت کار اسے سماج کی خدمت سمجھ کر انجام دے۔ دولت جمع کرنے اور اسے ذاتی خوشحالی اور انفرادی ترقی کا ذریعہ نہ قرار دے۔ اس لیے اسلام نے معاش کے ان تمام طریقوں کی ممانعت کردی، جن کے ذریعہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ اسلام نے احتکار، اکتناز کو ممنوع قرار دیا۔ احتکار کہتے ہیں غلہ اور دیگر سامانِ ضرورت کو روک کر رکھنا اور اسے مہنگا کر کے بازار میں لانا۔ اکتناز کے معنی دولت کو جمع کرنے کے ہیں۔ اور سود و بیاج کی لعنت سے ہر شخص واقف ہے کہ دولت مند ایک غریب کی ضرورت سے کس طرح فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور ایک کے دس کس بیدردی کے ساتھ وصول کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ''**لایحتکرا الاخاطی.**'' (ترمذی ج۱، ص۱۵۲)

(غلہ کو مجرم ہی روک کر رکھتا ہے)

''**المحتکر ملعون**'' سامانِ ضرورت کو روک کر رکھنے والا ملعون ہے۔

سود کھانے والے کے متعلق فرمایا: ''**لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا**'' سود خور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔

خدا تعالیٰ نے سودی کاروبار کرنے والے اور غریب کی لاچاری سے اور غربت سے فائدہ اُٹھانے والے کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔

''**فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ.**'' (سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اگر تم لوگ سود سے باز نہ آ ؤ تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان منظور کرو۔

اسی لیے اسلام نے دولت پیدا کرنے کے ان تمام طریقوں کو بھی ممنوع قرار دیا جن

میں محنت کے بغیر دولت چند ہاتھوں میں جمع ہوجاتی ہے یا جن صورتوں میں آپسی رضامندی کے بجائے دھوکہ اور فریب کا دخل ہوتا ہے۔ ان میں جوئے (قمار) اور سٹہ کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

رشوت کو اسی لیے اسلام نے حرام قرار دیا کہ وہ ایسا عطیہ ہے جس میں دینے والے کی دلی رضامندی شامل نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنا کام نکالنے کے لیے مجبوراً پیش کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: "لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الراشی و المرتشی." (ابوداؤد)

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت کھانے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔

ایک حدیث فرمایا: "ھدایا العمال غلول" (احمد)

سرکاری ملازمین جو ہدیے وصول کرتے ہیں وہ خیانت ہے اور اسی لیے اسلام نے خرید و فروخت اور لین دین کے ہر اس طریقہ کو ممنوع قرار دیا، جس میں اچھی طرح دیکھ بھال اور اطمینان حاصل کیے بغیر سودا کیا جاتا ہے۔

معاشی عدل کے قیام میں عوام کی ذمہ داریاں

انفرادی حقوق و فرائض میں توازن

اسلام فرد اور معاشرہ کے باہمی حقوق و فرائض کا جو معتدل اور کامل نقشہ پیش کرتا ہے وہ اسلام کا ایک عظیم تکمیلی کارنامہ ہے۔ فرد جب دُنیا میں وجود پاکر آتا ہے تو معاشرہ اس کی پرورش اور کفالت کا فرض ادا کرتا ہے اور فرد کے جو حقوق معاشرہ پر واجب ہوتے ہیں، وہ ان حقوق کی ادائیگی کا فرض ادا کرتا ہے۔ یہ فرد جب اپنے پیروں پر کھڑا ہوجاتا ہے تو اب اس پر معاشرہ کے حقوق بھی واجب ہوجاتے ہیں۔ انہی آپسی حقوق و فرائض کی ادائیگی پر فرد اور معاشرہ دونوں کی بھلائی کا دارومدار ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام انفرادی ملکیت کو تسلیم

کرتا ہے، کیونکہ انہی حقوق سے فرد کے فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ پس اگر فرد اپنے حقوق کے ساتھ اپنے فرائض کو پیش نظر رکھے تو معاشرہ میں کبھی کسی طرح کی مشکلات پیدا نہ ہوں۔

فرد کے لازمی فرائض

معاشی رفاہیت کے سلسلہ میں فرد کے لازمی فرائض کیا ہیں؟

(۱) فرد پر اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔

(۲) ترکہ اور میراث کی تقسیم اس کے ورثاء پر ضروری ہے۔

(۳) ماں باپ اور اولاد کا نفقہ اور ان کی کفالت ضروری ہے۔

(۴) معاشرہ اگر ہنگامی حالات سے دوچار ہو جائے اور حکومت عادلہ کی طرف سے ہنگامی امداد و تعاون کا اعلان کیا جائے تو اس میں شریک ہونا لازمی ہے۔

فرد کے اخلاقی فرائض

صاحبِ ثروت افراد کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حال میں مالی ایثار اور انفاق کا طریقہ اختیار کریں کارِ خیر کے لیے وقف کریں، وصیت کریں، قرض حسن دیں، ہبہ، عاریت اور امانت کے طریقوں سے اپنی دولت سے معاشرہ کو فائدہ پہنچائیں۔ صاحب ثروت افراد پر اسلام نے ملّی اور اجتماعی رفاہیت پھیلانے کے لیے جو لازمی اور اخلاقی فرائض عائد کیے ہیں۔ ان کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے کہا:

"کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم." (سورۂ حشر)

ترجمہ: یہ اس لیے تا کہ دولت چند دولت مند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن جلد ۲، صفحہ ۱۳۲ پر اسلام کے معاشی نظام عدل کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(گویا اس نظامِ معیشت میں) بلاشبہ زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے، کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا، اتنا ہی زیادہ انفاق (صرف کرنے) پر مجبور ہوگا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی، اتنی ہی زیادہ

جماعت بحیثیت جماعت خوشحال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے بلکہ تمام افرادِ قوم کے لیے کمائیں گے، یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقے کی کمائی دوسرے طبقہ کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے، جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔"

ضرورت سے زائد دولت کا حکم!

اسلام نے ہر دولت مند کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کو سادگی سے گزارے، فضول خرچی نہ کرے جو حرام و ناجائز ہے اور اس سادہ زندگی کے بعد جو دولت فاضل بچے اسے عام لوگوں کی بنیادی ضروریات پر خرچ کرے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل احادیث مبارکہ اس سلسلہ میں واضح ہدایات دیتی ہیں:

"عن ابی سعید الخدری ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان معہ فضل ظھر فلیعد بہ علی من لاظھر لہ' و من کان لہ' فضل من زاد فلیعد بہ علی من لازادلہ' قال نذکر من اصناف المال ماذکر حتی راینا انہ لاحق لاَحدٍ من فی فضل."

(محلّی ابن حزم، جلد ۲، ص ۱۵۷)

ترجمہ: مشہور جلیل القدر صحابی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس شخص کے پاس قوت و طاقت کا سامان اپنی ضرورت سے زیادہ ہو اس کو چاہیے کہ اس زائد سامان کو اس کے سپرد کر دے جو اس سے محروم رہے۔ اور جس شخص کے پاس کھانے پینے کا سامان ضرورت سے زیادہ ہو تو اسے بھی چاہیے کہ وہ زائد سامان اس شخص کے حوالہ کر دے جس کے پاس وہ سامان موجود نہ ہو۔ ابوسعیدؓ فرماتے ہیں: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح مختلف قسم کے سامانوں کا ذکر کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنا زائد از ضرورت سامان اپنی قبضہ میں رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

علامہ ابن حزم اندلسی مشہور محدث نے اس طرح کی چند احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''ہر بستی کے دولت مندوں کا فرض ہے کہ وہ محتاجوں اور ناداروں کے روٹی کپڑے کے ذمہ دار و کفیل ہوں۔ اور اگر سرکاری خزانہ (بیت المال) ان غریبوں کی ضرورتوں میں کافی نہ ہو تو پھر خلیفہ برحق دولت مندوں کو ان کی کفالت و پرورش پر مجبور کر سکتا ہے اور بنیادی انسانی ضروریات کے لیے کم سے کم یہ لازمی ہے کہ ان کے لیے روٹی، کپڑے اور رہنے کے لیے مناسب مکان کا انتظام کیا جائے۔'' (اسلام کا اقتصادی نظام بحوالہ محلی جلد ۶، ص ۱۵۶)

ظاہر ہے کہ جو مل مالک اور کارخانہ دار اور حکمراں دولت کو اپنی ذاتی عیش پرستیوں اور شراب کباب، حرام کاریوں اور شعر و شکار کی خرمستیوں پر پانی کی طرح بہائے گا، وہ مزدوروں اور محنت کشوں کے حق محنت کا پورا پورا بدلہ کس طرح دے گا؟

اور جب محنت کاروں کے حق محنت کا پورا پورا بدلہ نہیں دیا جائے گا تو سماج میں اطمینان و خوش حالی عام کیوں کر ہوگی؟

اس لیے اسلام نے انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرنے کے باوجود خرچ کرنے اور تصرف کرنے پر سخت پابندیاں عائد کر دی ہیں اور جو مالدار ان پابندیوں پر کاربند نہیں ہوتا اسے سماج کا دشمن اور مذہب کا باغی قرار دیتا ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں اسی قسم کے تصرف اور خرچ کو اسراف اور فضول خرچی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔

اسلام انسانی سوسائٹی کا جو نظام بنانا چاہتا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا، جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے، نہ مفلس و محتاج طبقے۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔'' (ترجمان القرآن، ج ۲)

انفرادی ملکیت اسلام میں

بلاشبہ اسلام انفرادی حقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن بے قید حق ملکیت کو نہیں بلکہ پابند قانون حق ملکیت کو!

اسلام ایک طرف افراد کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی اپنی اہلیت اور صلاحیت اور علم و ہنر کے مطابق محنت کریں، کوئی فرد خالی نہ بیٹھے، کسب، محنت، زراعت اور تجارت کر کے تمدن اور سماج کو اونچا کرنا اور ترقی دینا ہر فرد کے ذمہ لازمی اور ضروری ہے اور یہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ محنت، تجارت اور زراعت سے جو دولت حاصل ہو، وہ اپنی ذاتی ضروریات پر ہر قسم کی آزادی کے ساتھ خرچ نہ کی جائے، بلکہ شریعت نے ذاتی ضروریات پر جو پابندیاں لگادی ہیں، ان پابندیوں کو ہر قدم پر ملحوظ رکھے۔

وہ پابندیاں کیا ہیں؟

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''تمدن اور سماج کی بربادی کے اسباب میں یہ باتیں شامل ہیں کہ قوم کے دولت مند سونے چاندی کے زیورات، عمدہ عمدہ لباس، اعلیٰ سے اعلیٰ مکانات، کھانے پینے اور عورتوں کی آرائش کے فضول سامان اور عیش وتن آسانی کے کاموں میں مشغول رہنے لگیں۔''

آگے لکھتے ہیں:

''اور پھر اس مشغولیت کا یہ نتیجہ نکلنے لگا کہ جو لوگ زراعت، تجارت اور علم وصنعت کے کاموں کو ترقی دینا چاہیں ان کے کاموں میں رُکاوٹ پڑنے لگے اور پھر پوری قوم ایک عام بربادی میں گرفتار ہو جائے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲)

صحابہ کرامؓ کی مالی حالت

از: محمد کرد علی شامی

عام طور سے مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ساتھی صحابۂ کرامؓ مفلس اور مفلوک الحال لوگ تھے اور انھوں نے جان بوجھ کر اپنے لیے افلاس کی زندگی کو پسند کر رکھا تھا اور اسی لیے ان حضرات نے رُوحانی ترقی کی منزلیں طے کی تھیں کہ وہ لوگ روپے پیسے سے کوسوں دُور تھے۔

یہ غلط فہمی بھی عیسائی پروپیگنڈہ کے ذریعہ پھیلی ہے تاکہ مسلمان وسائل زندگی سے اپنے آپ کو دُور رکھیں، اور ان کے دل میں اقتصادی اور سیاسی خوش حالی کا خیال ہی نہ آئے اور اس طرح یورپ مسلمانوں کی تمام دولت اور اس کے سیاسی اقتدار کا خود مالک بنا رہا ہے۔

ذیل میں صحابہ کرامؓ کی مالی حالت پر ایک شامی عالم کا تاریخی مضمون پیش کیا جا رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی مالی خوش حالی

بعثت نبوی کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے جس کو وہ اپنی اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے۔ چنانچہ ۹ھ میں جیش عسرت کی تیاری کے لیے دس ہزار دینار دیئے۔ اسی غزوہ میں حضرت عثمان غنیؓ نے بھی بڑی قیمتی مدد کی تھی۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں دولت مندوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جیش عسرت کی امداد میں اُنھوں نے ۹۵۰ اُونٹ اور پچاس گھوڑے مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے۔ آپ کے عہد خلافت میں مدینہ میں مال و دولت کی بڑی فراوانی ہوگئی تھی۔ خود آپ کے پاس ایک ہزار لونڈی اور غلام تھے اور اس مال میں مسلمانوں کے بیت المال اور مالِ غنیمت کے خمس کا ایک حبہ بھی شامل نہ تھا۔

حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں اہل حجاز کی منڈی غرہ ہاشم کے دولت مند تاجروں میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم حضرت خدیجہ صدیقہؓ بڑی دولت مند خاتون

تھیں۔ ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھی، وہ اپنا تجارتی مال شام بھیجتی تھیں۔ تنہا ان کا تجارتی قافلہ پورے قبیلۂ قریش کے کاروانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ وہ مَردوں کے ذریعہ تجارت کراتی تھیں اور منافع کی شرکت پر لوگوں کو تجارت کے لیے روپیہ دیتی تھیں۔

ابوسفیان تجار مکہ کے شیخ تھے اور زمانۂ اسلام سے پہلے دولت مندوں میں ان کا شمار تھا۔ وہ دوسرے تاجروں کو اپنا اور قریش کا مال دے کر شام اور دوسرے عجمی ملکوں میں بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی خود مال لے کر جاتے تھے، رومی اور عجمی ملکوں میں ان کے تعلقات تھے۔ ان کے پاس بڑی دولت اور بڑا تجارتی سامان تھا۔ شام میں بلقار کے مقام میں نقنس نامی ان کا اپنا مملوکہ گاؤں تھا۔ غزوۂ بدر کے دن وہ قریش کے ایک بڑے تجارتی کارواں کے ساتھ جس میں بڑی دولت اور بہت سا تجارتی سامان تھا شام سے واپس ہوئے تھے اور اس کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے بڑی بہادری دِکھائی تھی۔ اس قافلہ میں بنواُمیہ کا چار خمس مال تھا اور کل سامان کی قیمت کا تخمینہ پچاس ہزار دینار تھا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی قریش کے بڑے صاحبِ ثروت لوگوں میں تھے۔ ان کی بیوی ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات کے پاس گئیں، ان کو خستہ حال دیکھ کر اُنھوں نے کہا، تمھارے شوہر تو قریش کے سب سے بڑے دولت مند آدمی ہیں۔ پھر تم کیوں اس حال میں ہو؟ انھوں نے کہا، اُن کی ذات سے میرے مقدر میں کچھ نہیں ہے۔ ان کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں بسر ہوتے ہیں۔ (یعنی پھر بناؤ سنگار کس کے لیے کروں) یہ واقعہ ازواجِ مطہراتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا، کیا تمھارے لیے میری ذات نمونۂ عمل نہیں ہے۔ انھوں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، واقعہ کیا ہے؟ فرمایا تم سارے دن روزے رکھتے ہو اور ساری راتیں نمازیں پڑھتے ہو؟ عرض کیا ایسا تو ہے۔ فرمایا ایسا نہ کیا کرو۔ اس لیے کہ تم پر تمھاری آنکھوں کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اس لیے نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمائش کے بعد جب دوبارہ عثمان بن مظعونؓ کی بیوی ازواجِ مطہراتؓ سے ملنے گئیں تو دلہن کی طرح عطر میں بسی ہوئی تھیں۔

صحابہ کرامؓ پر دنیا اتنی وسیع ہوگئی تھی کہ ان میں سے بعض لوگ ایک لاکھ میں ایک ایک

گھوڑا خریدتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ تک پہنچ گئی تھی، مدینہ منورہ نہایت آباد ہو گیا تھا۔ آبادی، مال و دولت اور ہر قسم کے ساز و سمان کی کثرت تھی۔ سارے ملک کا خراج مدینہ آتا تھا، وہ حکومت کا پایۂ تخت تھا اس لیے یہاں کے باشندے مال و دولت گھوڑوں اور ہر طرح کی نعمتوں کی بہتات سے مالا مال ہو گئے تھے۔

حکیمؓ ابن حزام نے اپنا ایک گھر امیر معاویہؓ کے ہاتھ ساٹھ ہزار دینار میں بیچا تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ معاویہؓ نے بڑا سستا لے لیا۔ انھوں نے کہا، میں نے اس کو زمانۂ جاہلیت میں ایک مشکیزہ شراب میں خریدا تھا۔ تم لوگ گواہ رہو، اب میں اس کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔ اب دیکھو کون خسارہ میں رہا، اسی گھر کے فروخت ہونے پر حضرت زبیرؓ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے قریش کی عزت و شرف کو بیچ دیا۔ حکیم نے کہا، اسلام نے ہماری مفروضہ عزتیں اور شرف ختم کر دیئے۔ صرف تقویٰ باقی ہے، اور اس کی قیمت خیرات کر دی۔

حضرت حکیمؓ حضرت خدیجہؓ اور حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی تھے، اور زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش کے اشراف اور اصحابِ وجاہت میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حج کیا تو ایک سو قربانی کے جانور ساتھ لے گئے اور ان پر بیش قیمت جرہ (ایک قیمتی کپڑے) کی جھولیں تھیں۔ اور عرفہ میں ایک سو غلام خدا کی راہ میں آزاد کیے جن کی گردنوں میں چاندی کی تختیاں تھیں۔ اور ان میں ''حکیم ابن حزامؓ کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد'' نقش تھا۔ اور ایک ہزار بکریاں خانۂ کعبہ پر چڑھائیں وہ اپنے زمانہ کے بڑے فیاض اور سیر چشم تاجر تھے۔ تجارت کے لیے یمن اور سال میں دو مرتبہ جاڑے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے۔ انھوں نے تجارت سے بڑی دولت پیدا کی۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانۂ خلافت میں صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ سب نے اس کی تائید کی۔ اس کے بعد فتح مکہ کے مسلمانوں کی رائے لی۔ انھوں نے بھی حمایت کی۔ صرف ایک حکیمؓ ابن حزام نے اختلاف کیا۔ انھوں نے کہا۔ ''امیر المومنینؓ! قریش کا پیشہ تجارت ہے۔ جب ان کے وظیفے مقرر ہو جائیں گے تو وہ تجارت چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد جب ان کا وظیفہ کسی سبب سے بند ہو جائے گا۔ اور وہ آپ کے پاس آئیں گے۔ اس وقت ان کی تجارت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوگی۔''

حکیمؒ کی رائے نہایت مناسب اور حکیمانہ تھی۔ اس لیے کہ وظیفوں کے عام تقرر کے معنی یہ تھے کہ ایک ترقی یافتہ جماعت کو جو عمل اور جدوجہد کی عادی ہو، سست اور کاہل بنا دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کے عربوں کو وہی صورت حال پیش آئی جو اسپینیوں کو اس زمانہ میں پیش آئی تھی۔ جس زمانہ میں جنوبی امریکہ فتح ہوا تھا، اس وقت اس نئی دُنیا سے ہزاروں کی تعداد میں سونے کی ڈھلی ہوئی اشیاء اور نادر معدنیات اسپین آئے تھے۔ اس سے وہاں مال و دولت کی بڑی فراوانی ہوگئی۔ اور لوگ تن آسانی اور تعیش کے عادی ہوگئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسپین یورپ کا سب سے غریب ملک ہوگیا۔ ایسے ہی وظائف نے بھی مہاجرین و انصار اور فتح مکہ کے مسلمانوں میں بھی کچھ دیر کے لیے تھوڑی سی فراغت پیدا کر دی اور چونکہ حجاز میں سارے اسلامی ملکوں سے مالِ غنیمت، خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کی آمدنیاں آتی تھیں۔ اس لیے عربوں کا بڑا حصہ قوم کے خزانہ پر زندگی بسر کرنے کا عادی ہوگیا اور جب فتوحات کا دَور ختم ہوگیا اور اس کی آمدنیاں جاتی رہیں اس وقت قریش کے ہاتھوں سے تجارت نکل چکی تھی۔ اس لیے حجاز فقر و فاقہ میں مبتلا ہوگیا۔

حضرت سعدؓ بن وقاص بھی مدینہ منورہ کے بڑے دولت مندوں میں تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے نقد سرمایہ کی زکوٰۃ مروان کے پاس پانچ ہزار درہم بھیجی تھی۔ اور اپنی وفات کے وقت ڈھائی لاکھ درہم چھوڑے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی صاحب ثروت اور فیاض تھے۔ حضرت عباسؓ زمانہ جاہلیت میں ہاشمی خاندان کے سب سے بڑے دولت مند آدمی تھے۔ اور جنگ بدر کے بیشتر قیدیوں کو ان ہی نے کفار کی جانب سے فدیہ دے کر چھڑایا تھا۔ اور خود اپنے فدیہ میں ایک سو اوقیہ سونا دیا تھا۔ یعلی بن اُمیہؓ بھی بڑے دولت مند آدمی تھے۔ عمرؓ بن ربیعہ شاعر کے والد عبداللہ بن ربیعہ اتنے دولت مند تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ چالیس ہزار قرض لیا تھا۔ اور اس کو ادا کرتے وقت ان کے اہل و عیال اور مال و دولت میں برکت کی دعاء کی تھی اور فرمایا تھا کہ ''قرض کا بدلہ اس کی ادائیگی اور حمد و تشکر ہے۔'' زمانہ جاہلیت میں معمول تھا کہ ایک سال پورا خاندان قریش چندہ کر کے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتا تھا اور ایک سال عبداللہؓ تنہا اپنے صرفہ سے یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ اس سے ان کا لقب ''عدل'' ہوگیا کیونکہ وہ تنہا قریش

کی برابری کرتے تھے۔ وہ بڑے تاجر تھے۔ ان کی تجارت یمن میں ہوتی تھی۔ اسی طریقہ سے حویطبؓ بن عبدالعزیٰ بھی دولت مند تھے۔ انھوں نے بھی ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس ہزار قرض دیا تھا اور امیر معاویہؓ سے ۴۵ ہزار دینار میں ایک مکان خریدا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو آٹھویں مسلمان تھے بڑے دولت مند اور خوش نصیب تاجر تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''مجھے خوف ہے کہ دولت کی کثرت مجھے ہلاک نہ کر دے۔'' انھوں نے فرمایا ''اس کو صرف کر دو۔'' اس پر انھوں نے اس طرح عمل کیا کہ ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کر کے اس کی قیمت خیرات کی، ایک مرتبہ ایک پورا تجارتی کارواں جس میں سات سو اونٹوں پر سامان تھا مع اونٹوں کے صدقہ کر دیا۔ اپنی پوری عمر میں تیس ہزار غلام آزاد کیے اور وفات کے وقت امہات المومنین کے اخراجات کے لیے ایک باغ کی وصیت کر گئے جو چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔ پچاس ہزار دینار خدا کی راہ میں خیرات کیے۔ اور ہر بدری صحابی کے لیے چار چار لاکھ دینار کی وصیت کی۔ اس وقت جتنے اصحاب بدر زندہ تھے ان سب کو وصیت کے مطابق پوری رقم دی گئی۔ اتنی دولت صرف کرنے کے بعد بھی بہت بڑا سرمایہ چھوڑ گئے۔ سونے کی اتنی بڑی بڑی سلیں تھیں کہ ان کو ہتھوڑوں سے کاٹا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ پڑ گئے۔ ان کے اصطبل اور مویشی خانہ میں ایک ہزار اونٹ، اسی قدر گھوڑے اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ وفات کے وقت چار بیویاں تھیں۔ ان چاروں کو ترکہ میں آٹھویں حصہ میں اسّی اسّی ہزار ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی انھوں نے کار خیر میں بہت کچھ صرف کیا تھا۔ اور ان کی دولت جس قدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر صدقات و خیرات میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ چار ہزار، دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چار کروڑ درہم خیرات کئے اور پانچ سو اونٹ مجاہدین کی سواری کے لیے دیئے۔ پندرہ ہزار قیدیوں پر صرف کئے۔

حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری بھی مدینہ کے دولت مند لوگوں میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں مواخات کرائی۔ تو سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا۔ کہ میں مدینہ منورہ کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہوں میرے

مال کا آدھا حصہ تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جس کو تم پسند کرو، اس کو میں طلاق دے دوں۔ لیکن عبدالرحمٰنؓ نے شکریہ کے ساتھ اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اہل و مال میں برکت دے اور خود تجارت شروع کر دی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جتنی برکت عطا کی کہ اس کا اندازہ اُوپر کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ عرب کے گیارہ مشہور فیاض دولت مندوں میں سے تھے، ان کی فیاضی کی وجہ سے ان کو طلحۃ الفیاض، طلحۃ الجود، طلحۃ خیر اور طلحۃ الطلحات کے القاب سے پکارا جاتا تھا۔ ان کی ثروت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنا ایک باغ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچا۔ اور یہ پوری رقم ایک رات میں اہلِ مدینہ میں تقسیم کر دی۔ روایتوں میں ہے کہ اپنے بعد انھوں نے بیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جو نقد و جنس چھوڑا تھا۔ اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ تین کروڑ درہم اور بائیس لاکھ دینار نقد چھوڑے اور دوسرے ساز و سامان کی قیمت اس کے علاوہ تھی۔ ان میں سے جو روایت بھی صحیح مان لی جائے وہ ان کی ثروت کے اندازہ کے لیے کافی ہے۔ ان کی عراق کی جائداد کی آمدنی چار لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ سالانہ تک تھی، اور ثراۃ کی جائداد کی آمدنی پندرہ ہزار دینار سالانہ تھی۔ صرف غلّہ کی پیداوار کی قیمت ایک ہزار وانی (ایک طلائی سکّہ سالانہ تھی۔ اپنے قبیلہ بنی تمیم کے تمام غرباء اور اہلِ حاجت کی پرورش کرتے تھے۔ ان کی بیواؤں کی شادیاں، غریبوں کی کفالت اور مقروضوں کا قرض ادا کرتے، جب ان کی جائداد کی سالانہ آمدنی آتی تو اس میں سے دس ہزار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کرتے۔ یعلیٰؓ بن امیہ نے ایک مرتبہ چار لاکھ روپے سے حضرت زبیرؓ بن عوام کی مدد کی، خاندانِ قریش کے ستّر آدمیوں کو سواریاں دیں۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ جس اونٹ پر سوار تھیں وہ ان ہی کا تھا۔

حضرت خبابؓ بن ارت بھی اغنیاء میں سے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں تھا کہ میرے پاس ایک دینار بھی نہ تھا۔ اور آج میرے گھر کے ایک گوشہ میں ایک تابوت میں چالیس ہزار وانی موجود ہیں۔ مجھ

کو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ہماری نعمتوں کا حصہ دُنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اپنے بعد سونے اور چاندی کی سلیں چھوڑی تھیں۔ جو ہتھوڑے سے کاٹی جاتی تھیں۔ نقد دولت اور جائداد اس کے علاوہ تھی جس کی مجموعی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ یعلیٰؓ بن امیہ نے اپنے بعد پندرہ ہزار دینار اور تین لاکھ قیمت کی جائداد اور دوسری چیزیں چھوڑیں، ان سے سے زیادہ دولت مند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ تھے جو عشرہ مبشرہ میں تھے یہ بہت بڑے تاجر اور صاحبِ ثروت تھے۔ ان کے ایک ہزار غلام ان کو خراج دیتے تھے۔ جس کو وہ اکثر ایک ہی نشست میں خیرات کر دیتے تھے۔ اس فیاضی اور صدقات و خیرات کی وجہ سے انھوں نے اپنے بعد نقد رقم نہیں چھوڑی۔ لیکن ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار لونڈیاں، دو جائدادیں جن میں سے ایک مدینہ منورہ کے قریب ایک بڑا جنگل تھا اور گیارہ گھر مدینہ منورہ میں، دو بصرہ میں، اور ایک کوفہ میں چھوڑے۔ وفات کے وقت مقروض تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی دولت مندی اور امانت کی وجہ سے لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھواتے تھے یہ احتیاط کی بناء پر امانت کی شکل میں نہیں رکھتے تھے بلکہ قرض کے طور پر لے لیتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ بہت مقروض ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں غزوات میں شرکت کے علاوہ تحصیل خراج یا امارت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔ وفات کے وقت بائیس لاکھ کے مقروض تھے۔ حکیمؓ بن حزام نے ان کے صاحبزادے عبداللہ سے پوچھا کہ بھتیجے! بھائی نے کتنا قرض چھوڑا۔ انھوں نے پہلے چھپایا۔ اور ایک لاکھ بتایا۔ حکیم نے کہا۔ تمھارے مال میں تو اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس وقت عبداللہ نے کہا۔ ''اگر بائیس لاکھ ہو تو آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا۔ اتنی بڑی رقم کا دینا تمھارے بس سے باہر ہے اگر تم سے ادا نہ ہو سکے تو مجھ سے مدد لے لینا۔ حضرت زبیرؓ نے کسی زمانے میں مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل ستر ہزار میں خریدا تھا۔ عبداللہ نے اس کا ایک چھوٹا سا حصہ سولہ لاکھ میں بیچ کر اعلان عام کر دیا کہ والد کے ذمے جس کا قرض ہو وہ اس کے معاوضے میں جنگل لے لے۔ عبداللہ بن جعفرؓ کا چار لاکھ قرض تھا۔ انھوں نے عبداللہؓ سے کہا۔ اگر تم چاہو تو میں یہ قرض چھوڑ دوں، اور اگر مہلت لینا چاہو تو مہلت دے دوں۔

انھوں نے ان میں سے کوئی صورت منظور نہیں کی۔ اور قرض کے بدلے میں جنگل کا ایک ٹکڑا عبداللہؓ بن جعفر کو دے دیا۔ اس کو الگ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس سوا چار جنگل باقی رہ گیا۔ جس کا ایک حصہ منذر نے ایک لاکھ میں خریدا اور ڈیڑھ حصہ امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہؓ بن جعفر کے قرض کے معاوضہ میں ان کو جنگل کا جو ٹکڑا دیا تھا۔ اس کو انھوں نے چھ لاکھ میں فروخت کیا۔ اس طریقہ سے ابن زبیرؓ نے اپنے والد کا کل قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد ورثاء نے باقی ماندہ ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا میں چار سال تک برابر حج کے موقع پر اعلان کروں گا۔ کہ جو قرض خواہ باقی رہ گیا ہو وہ آ کر اپنا قرض لے لے۔ اور جب کوئی قرض خواہ باقی نہ رہ جائے گا۔ اس وقت ترکہ تقسیم کروں گا۔ چنانچہ چار سال اعلان کرنے کے بعد جب کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہ گیا۔ اس وقت ترکہ تقسیم کیا، اس وقت بھی اتنی دولت باقی رہ گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ کی چار بیبیوں کو آٹھویں حصہ میں گیارہ، گیارہ لاکھ ملا۔ اس حساب سے ان کی متروکہ جائداد کی قیمت کا اندازہ تین کروڑ باون لاکھ کیا جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں پانچ کروڑ تک ہے۔

ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت مقداد بن اسودؓ، عروہؓ بن جعفر، انس بن مالک اور عمروؓ بن حریث مخزومی دولت مند، اور سعید بن عائذ، ابو معلق انصاری، حضرت عمرؓ کے صاحبزادگان عبداللہؓ اور عبیداللہؓ، حاطب بن ابی بلتعہ اور سوید بن قیس عبدی بڑے تاجروں میں تھے۔

اُوپر کی مثالوں سے عربوں کی ثروت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس دولت کے ساتھ ان میں امانت، ایثار، صدقات وخیرات اور زہد بھی اسی درجہ کا تھا۔ ان میں سے اکثر اسلام سے پہلے بھی دولت مند تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے بعد اس میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اور اس دولت کو انھوں نے بہت سے قومی وملّی کاموں میں صَرف کیا۔ اس سے فوجیں تیار کیں، مجاہدین پر صرف کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ابتدائی غزوات میں بڑی مدد ملی۔ صحابہ کرامؓ کی دولت مسلمانوں کے مفاد ومصالح اور فقراء ومساکین دونوں پر یکساں صرف ہوتی تھی۔ اس دولت کا بڑا حصہ انھوں نے تجارت سے پیدا کیا تھا، اور زراعت اور صنعت وحرفت کا حصہ اس میں بہت کم تھا۔ ابو طالب عطریات اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، طلحہؓ اور عبدالرحمٰنؓ وغیرہ کپڑوں کے تاجر تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک زمانے میں تیر بناتے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق کھجور کے درختوں کی اصلاح کرتے تھے۔ عتبہؓ نجاری کرتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کے والد عوام خیاطی کرتے تھے، عمروؓ بن العاص جانور ذبح کرتے تھے اور چمڑا اور خوشبویات بیچتے تھے۔ ابوسفیانؓ زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ عبداللہؓ بن جدعان لونڈی غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ عثمانؓ بن طلحہ خیاطی کرتے تھے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دسمبر ۱۹۷۳ء بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیۃ)

دین ودُنیا میں توازن

اقتصادی اور تمدنی کاموں میں حصہ لینے کی جو اہمیت اُوپر بیان کی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان اپنی تمام تر سرگرمیوں کو کھانے کمانے اور دولت پیدا کرنے میں محدود کردے۔ اور مذہب کے دوسرے عباداتی فرائض سے غافل ہوجائے۔

بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کو نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کے ساتھ ساتھ روزی کمانے کی جدوجہد میں بھی اپنے آپ کو مشغول کرنا چاہیے۔

یعنی ہر مسلمان، خدا اور اس کی مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرے۔ خدا کا حق توحید و عبادت ہے۔ اور بندوں کا حق ان کی خدمت اور کفالت ہے۔

اسی توازن کا نام اسلام ہے۔ اسی حقیقت کو قران کریم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

"وَكَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسطًا."

مسلمانو! تم ایک اعتدال پسند اُمت بنائے گئے ہو۔

یہی وہ اعتدال پسندی اور درمیانہ روی ہے۔ جو اس اُمت کا خصوصی امتیاز ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم پیشین گوئی

(۱)

"مَاظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِیْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَی اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ."

جب کوئی قوم پبلک فنڈ اور جنتا کے پیسے میں خیانت اور بے ایمانی کرنے لگتی ہے تو اس قوم کے دِل میں خدا تعالیٰ خوف، دہشت اور ڈر پیدا کر دیتا ہے۔ یعنی وہ قوم بزدِل اور ڈرپوک ہو جاتی ہے۔

(۲)

"وَلَا خَشَی الزِّنَا فِی قَوْمٍ اِلَّا کَثُرَ فِیْهِمِ الْمَوْتُ."

جب کسی قوم میں حرام کاری اور بدکاری عام ہو جاتی ہے۔ تو اس قوم میں موت، خودکشی اور ہلاکت کے واقعات کثرت سے ہونے لگتے ہیں۔

(۳)

"وَمَانَقَصَ قَوْمٌ الْمِکْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ."

جب کوئی قوم ناپ، تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو اس قوم کا رزق اُٹھا لیا جاتا ہے۔ یعنی اناج، پانی کھینچ لیا جاتا ہے۔

(۴)

"وَلَاحَکَمَ قَوْمٌ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَافِیْهِمُ الدَّمُ."

جب کوئی قوم بے انصافی کرنے پر تل جاتی ہے تو اس قوم میں آپسی خوں ریزی اور قتل وغارت گری بڑھ جاتی ہے۔

"وَلَا اَخْیَسَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سَلَّطَ عَلَیْهِمُ الْعَدُوُّ."

جب کوئی قوم عہد توڑنے لگتی ہے تو اس قوم پر اس کے دشمنوں کو مسلّط کر دیا جاتا ہے۔

OO

جمعیۃ علماء ہند کا تعمیری پروگرام

دفعہ-۴

علمی واشاعتی جدوجہد

دارالمطالعہ

(الف) مذہبی، اخلاقی اور اصلاحی وعلمی رسالے اور کتابیں چھپوانا۔

(ب) ماحول کے مطابق اصلاحی مقالے مرتب کرانا اور مباحثے کا انتظام کرنا، نیز اجتماعی مطالعہ کو مقبول بنانا۔

طریقۂ کار

(۱) دارالمطالعہ کو اپنے علمی، سماجی اور تعلیمی پروگرام کا مرکز بنایئے۔

(۲) دوسری سنجیدہ کتابوں کے ساتھ مسلمانوں کا روشن مستقبل، علماء ہند کا شاندار ماضی، علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، نقش حیات، مکتوبات شیخ الاسلام، وغیرہ جیسی کتابیں بھی فراہم کیجیے۔

(۳) اُردو، فارسی، عربی، ہندی یا انگریزی کے پرائیویٹ امتحانوں کا کورس مہیا کیجیے اور اس کی تیاری کرانے کا بندوبست بھی کیجیے۔

(۴) دارالمطالعہ کو خود کفیل بنا کر چلانے کی کوشش کیجیے۔

علمی اور تعلیمی ترقی شریعت کی نظر میں!

اسلام نے دنیا سے ہر قسم کی تاریکی کو دُور کیا ہے۔ خاص طور پر جہالت کی تاریکی کے خلاف اسلام اور ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست کوشش کی ہے اور دنیا کو علم کی روشنی سے منور کیا ہے۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اسلام ایک علمی اور عقلی مذہب ہے۔ اسلام نے اندھی تقلید کی شدید ترین مخالفت کی ہے اور جگہ جگہ لوگوں سے کہا ہے کہ وہ علم، عقل اور تدبّر کی روشنی سے کام لیں۔

قرآن کریم کہیں کہتا ہے—"افلا تعقلون"—کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ کہیں لوگوں سے خطاب کرتا ہے "افلا تتفکرون" کیا تم سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

اسلام سے پہلے عرب میں تعلیم بہت کم تھی۔ اسلام کی آمد کے وقت عرب کے مرکزی شہر مکہ معظمہ میں صرف بارہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

عرب کے بڑے بڑے نامور شعراء لکھنے اور پڑھنے سے محروم تھے۔ نمر ابن تولب ایک صاحب دیوان شاعر تھا۔ مگر جب حضورؐ نے انھیں یمن کا سردار مقرر کیا۔ اور انھیں تحریری پروانہ عطا کیا تو بازار میں آ کر انھوں نے کسی شخص سے وہ خط پڑھوایا۔ کہ اس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تحریر فرمایا ہے۔

ایسے اَن پڑھ ماحول میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی روشنی پھیلائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد پاک کے ایک حصہ میں سائبان اور چبوترہ تھا۔ جو اسلام کی سب سے پہلی اقامتی درس گاہ تھی، جس پر مسلمان تعلیم حاصل کرتے تھے اور بعض اوقات ان تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد چار سو تک پہنچ جاتی تھی۔

اس درس گاہ میں حضرت عبداللہ ابن سعید ابن العاص اور عبادہ ابن صامت صحابہ کرامؓ

کو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے اور قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ لوگوں میں تعلیم پھیلانے کا اتنا اہتمام کرتے تھے کہ آپؐ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن کے علاقہ کا ناظم تعلیمات مقرر فرمایا تھا۔ تاکہ معاذ ایک مقام سے دوسرے مقام کا دورہ کر کے مدرسوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے پڑھے لکھے قیدیوں کو مدینہ کے بچوں کی تعلیم کے کام پر مقرر فرمایا تھا۔ اور یہ قیدی غیر مسلم تھے۔ اس واقعہ پر علماء اسلام نے تصریح کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنے سامنے ہی غیر مسلموں سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم دے کر اُمت کو یہ بتا دیا کہ مسلمان علم و ہنر کی تحصیل میں فراخ دِلی اور وسعت نظر سے کام لیں۔ اور علم و ہنر حاصل کرنے کے لیے ہر باکمال انسان سے استفادہ کریں خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے لیے حضرت زیدؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ زبان زیدؓ نے مدینہ منورہ کے یہودی علماء سے حاصل کی تھی۔ مشہور مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت زیدؓ عربی کے علاوہ فارسی، یونانی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی جانتے تھے اور آنے والے وفود سے بات چیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مترجم کا کام انجام دیتے تھے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیمی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ عربی زبان دوسری صدی ہجری ہی میں علمی نقطۂ نظر سے دنیا کی سرمایہ دار زبان بن گئی تھی۔

دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک زبان اتنے قلیل عرصہ میں اتنی ترقی یافتہ بن گئی ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی جدوجہد اور اس کی کامیابی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نظر اس حقیقت پر پوری طرح تھی کہ انسانی تعلقات میں زبان کا بہت بڑا درجہ اور بہت بڑی اہمیت ہے۔

اور آج جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں زبان کی اہمیت ہر زمانہ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ پہلے زبان صرف زبان سے بولی جانے والی ایک بولی تھی، مگر آج وہ

کتابوں اور اخبارات میں لکھی جانے والی ایک بولی اور ایک زبان بھی ہے۔

تقریر وتحریر کی اہمیت

خدا کے عام بندوں تک اپنے خیالات پہنچانے اور ان کے خیالات سے آگاہ ہونے کے لیے زبان اور تقریر وتحریر کو جو اہمیت حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوری طرح محسوس فرمایا۔ اور آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی:

"جاهدوا المشركين باموالكم و انفسكم والسنتكم." (ابوداؤد)

ترجمہ: اہلِ شرک کو توحید کا پیغام سمجھانے کے لیے مال، جان اور زبان، سے کوشش کرو۔

خدا تعالیٰ نے عرب کے بے راہ لوگوں کو سمجھانے کے لیے قرآن کریم جیسی کتاب نازل کی۔ جو ان کی مادری زبان اور مادری ادب کا شہ پارہ ہے۔ قرآن کریم کی ادبی فصاحت و بلاغت نے عرب عوام کے دلوں پر جادو کر دیا۔ پھر اس اعلیٰ ترین ادبی، علمی اور قانونی کتاب کو سنانے والے بھی اپنے وقت کے بہترین فصیح و بلیغ، خطیب اور صاحبِ کمال مقرر اور واعظ تھے۔ اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی، اس طرح سرزمین عرب میں اسلام کی بنیادیں تقریر وتحریر کے اعلیٰ ترین نمونوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کے ذریعہ استوار ہوئیں۔

دار المطالعہ، مرکز علم وادب

جمعیۃ علماء ہند کے تعمیری پروگرام کا یہ چوتھا شعبہ دراصل مسلمانوں کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں ایک علمی اور ادبی مرکز قائم کریں اور اس مرکز کے ذریعہ اپنے حلقہ کی عوامی زبان کے اخبارات، رسائل اور کتابیں جمع کریں۔

اور اس زبان میں نہایت اعلیٰ ادب کے ساتھ اسلام کی صداقت پر کتابیں اور پمفلٹ شائع کریں۔ اور مختلف زبانوں کے امتحانات کی تیاری کریں۔ اور دوسروں کو تیاری کرائیں۔

اس مقصد کے لیے کامیاب اساتذہ کی خدمات حاصل کریں۔ یہ دار المطالعہ ایک طرف اچھی کتابوں اور اچھے اخبارات کا مرکز ہو تو دوسری طرف ایک مرکزی تعلیمی ادارہ ہو،

جہاں بچوں کی تعلیم سے لے کر تعلیم بالغان تک کا انتظام کیا جائے۔

اور یہ دارالمطالعہ، دارالاشاعت بھی ہو۔ جہاں سے دعوتی اور معلوماتی پمفلٹ اور کتابچے بھی شائع کئے جائیں۔

اس دارالمطالعہ میں اخبارات اور رسائل کی ایجنسیاں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔ اور اچھے اخبارات کو عوام میں مقبول بنانے اور عوام میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے۔

دارالمطالعہ کے لیے اصحابِ علم سے ان کی پڑھی ہوئی کتابیں حاصل کی جائیں اور اصحابِ خیر سے کتابیں منگا کر ان کے نام سے وہ کتابیں دارالمطالعہ میں داخل کی جائیں۔ اور انھیں بتایا جائے کہ یہ کتابیں ان کے لیے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی۔

اس بات کی خاص کوشش کی جائے کہ غیر مسلم حضرات دارالمطالعہ کی سنجیدہ اور معقول کتابوں سے استفادہ کریں۔ اس کام کے لیے ان حضرات سے باقاعدہ منظم طریقہ پر درخواست کی جائے۔ اور غیر مسلم بھائیوں کو ان کی زبان کی عمدہ اور آسان کتابیں پڑھوائی جائیں۔

اس دارالمطالعہ میں ادبی نشستیں منعقد کی جائیں۔ جن میں صاف ستھرے اور میل ملاپ بڑھانے اور ملک اور شہر کی تعمیری سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شوق پیدا کرنے والے ادبی مقالے اور نظمیں وغیرہ پڑھی جائیں۔

ان ادبی مجلسوں میں اس بات کو خاص اہمیت دی جائے کہ نوجوان نسل کے اندر بڑھنے والی اخلاقی اور سماجی انارکی کے بُرے اثرات کا شعور پیدا ہو۔ اور نئی نسل اپنے آپ کو مستقبل کا معمار سمجھ کر اپنے کردار کو بنانے اور سنوارنے کے لیے تیار ہو۔ اس کام کے لیے تعمیری کہانیاں اور تاریخ کے روشن واقعات کا دوہرانا نہایت مفید اقدام ہے۔

صالح فکر رکھنے والے شعراء کرام سے اس مقصد کے لیے تعاون حاصل کیا جائے۔

OO